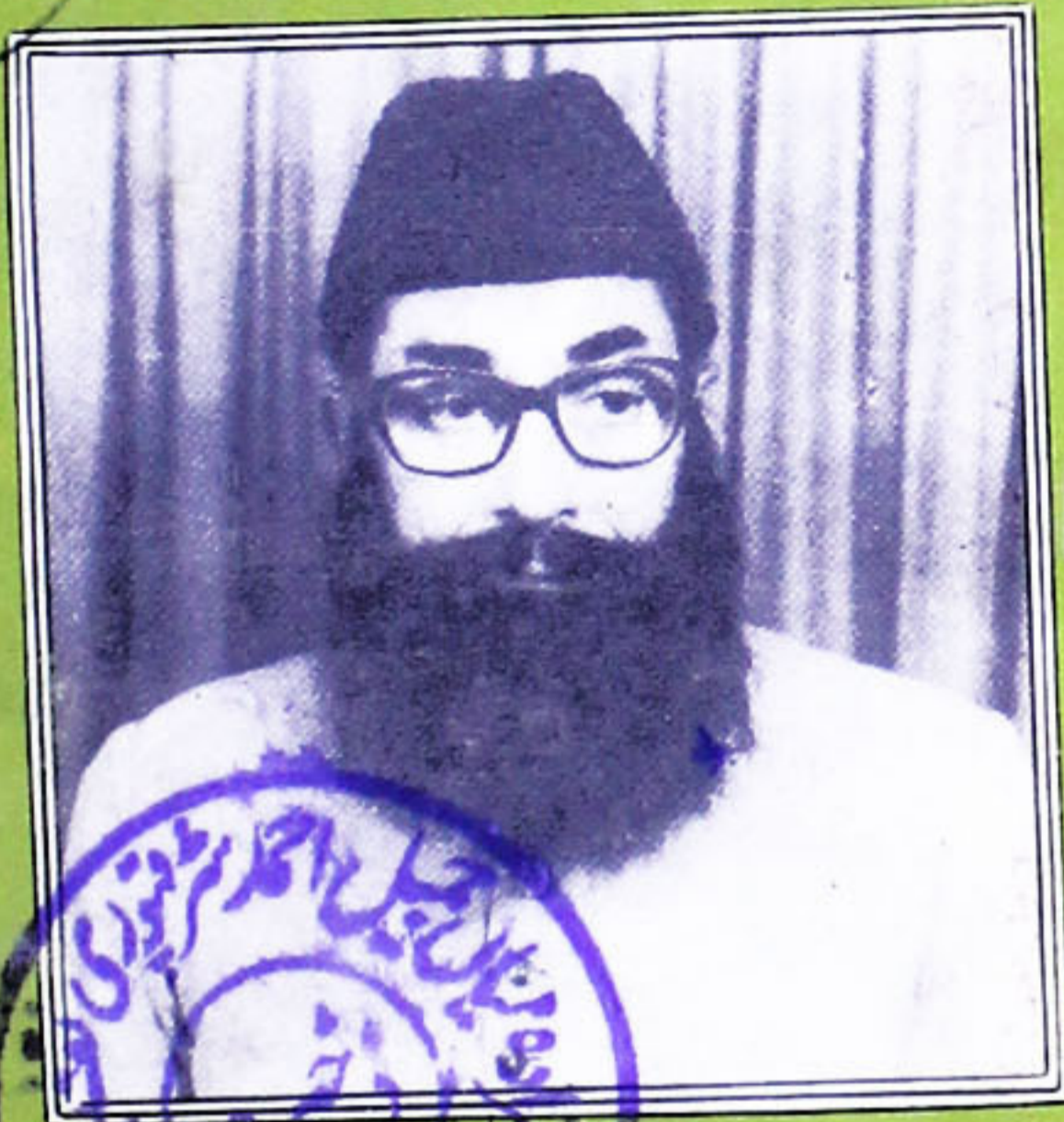


میر کا روای

3998



صاحبزادہ پیر سید **فضل الرحمن** شاہ

میر کا روای شاہ

فکر پورہ

3998

محترم المصنف صاحب سوالا کا غلط جواب الجواب دیکھو
(برائے تیسرے) (میں نے تیسرے سے)

نگہ بلند سخن و نواز جان پر سوز
یہی ہے رختِ سفر "میرکارواں" کیلئے

میرکارواں

سید فیض الحسن شاہ
صاحبزادہ

غلام نبی شیخ

87264 جہد حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

~~87264~~

مصنف	:	غلام نبی شیخ
اشاعت اول	:	اکتوبر ۱۹۸۶ء
مطبع	:	
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

سیارہ ڈائجسٹ

۱۸۹ - ریلوے گارڈن - لاہور
اللہ والا پرنٹرز - ۸۱ شاہراہ قائد اعظم - لاہور

انتساب

بزرگانِ عظام
آستانہ عالیہ آلومہار شریف کی خدمت میں

اپنے اہل خانہ خصوصاً مرحوم بھائی
شیخ محمد عارف کی طرف سے۔



اپنے وحشت زدہ کمرے کی اک الماری میں
تیری تصویر بڑی عقیدت سے سجا رکھی ہے
"کوثر نیازی"

اظہارِ آرا

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب
بانی و سرپرست اعلیٰ مرکزی ادارہ مہناج القرآن

جناب ملک محمد اکبر ساقی صاحب
صدر تحریک نظام مصطفیٰ پنجاب
سابق سیکرٹری جنرل پنجاب جمعیت العلمائے پاکستان

دیباچہ

حضرت صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب کا شمار بلاشبہ ایسی عقربی اور نادیدہ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے جو اپنی نگاہ کرامت اثر کے فیضان اور فکر آفریں تعلیمات کے اثر سے گمراہی و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں شمع ہدایت روشن کیے رکھتی ہیں۔ جن کا علم متلاشیان حق کے لیے مشعل عرفان، جن کا عمل منحصین حق کے لیے نمونہ عمل، جن کا صدق اہل صفا کے لیے منبع اخلاص اور جنکی للہیت رہ نوروان حقیقت کے روشن بینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ کا شمار بجا طور پر ان مردان باطل شکن کی صف میں ہوتا ہے جنکی للکار باطل کے لیے ہلاکت، جنکی گرج طاغوتی طاقتوں کے لیے تازیانہ اور جنکی ہیبت شیطانی ذریت کے لیے موت کے پیغام کا درجہ رکھتی ہے۔

صاحبزادہ صاحب کی شخصیت جامع کمالات تھی آپ کی وجاہت علمی، اصابت فکر، مومنانہ بصیرت اور سحر آفریں مقررانہ صلاحیتوں کے

غیر کے بھی معترف تھے۔ ان تمام تر شخصی محاسن اور جلالتِ علمی کے ساتھ ساتھ آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔

ایک عظیم خاندانہ تصوف کا چشم چراغ ہونے کی حیثیت سے آپ صوفیائے نکات اور عمل تصوف کے رموز اس حسنِ اسلوب کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ سامع پر کیف و مستی کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے صاحبِ زادہ صاحبِ سامعین کو معرفت کے جام پلاتے ہوئے وارداتِ تصوف کی بیکراں وادیوں میں لیے پھرتے ہیں۔

صاحبِ زادہ صاحبِ افرادات کی علمی و فکری تشنگی بچھانے کے ساتھ ساتھ میدانِ سیاست میں بھی قوم و ملت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ تحریکِ پاکستان میں آپ دو قومی نظریے کے ایک پُر جوش مبلغ کی حیثیت سے سامنے آئے۔ بعد ازاں جمعیتِ علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے اسلامیانِ پاکستان کو بالغ النظر قیادت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تحریکِ ختمِ بنوت میں بھی اپنی جادو بیانی سے افرادِ ملت کو عزت و عصمتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بچھا کر کرنے کا سبق سکھایا۔

الغرض آپ کی دینی و ملی خدمات اہل حق کے لیے رشد و ہدایت

کا وہ روشن مینا رہیں جس سے رہ نورِ دالِ حق استقامت و عزت کی خیرات حاصل کرتے رہا کریں گے۔

آپ ایسے مشاہیر کی خدمات اور کارناموں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ میں عزیزم غلام نبی شیخ صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں انہوں نے جس کمالِ محبت اور حسنِ عقیدت کے ساتھ صاحبزادہ صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں اور مختلف النوع قومی و دینی خدمات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ لائق تحسین ہے۔ رب العزت موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت فرمائے اور اسے افادہ عام کا باعث بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

خاکپائے علماء

محمد طاہر القادری

تاثرات

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہماری ملت کا ایک انتہائی قیمتی سرمایہ تھے۔ انہوں نے جس طرح مختلف ادوار میں اپنی بھرپور زندگی گزار رکھی ہے۔ لوگوں کے دلوں و دماغ سے اس کے نقوش آسانی کے ساتھ محو نہیں ہو سکیں گے۔

حیاتِ انسانی میں جو صفات انسان کو متاز اور منفرد بناتی ہیں ان میں سے اکثر صاحبزادہ صاحب کی ذات میں ہمیں مجتمع نظر آتی ہیں۔ وہ ایک انتہائی نفیس اور پاکیزہ خیالات رکھنے والے انسان تھے گشتگو کا جو ملکہ خالق کائنات نے انہیں عطا کیا تھا وہ زندگی میں کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

خطابت کے میدان میں وہ ایک شہسوار تصور کیے جاتے تھے اور شہنشاہِ خطابت کے لفظ کا استعمال جتنا موزوں ان کے لیے تھا شاید کوئی دوسرا شخص اس کا مستحق نہ پھرے۔

حاصل ظاہری اور باطنی حسن و جمال کا یہ شخص ایک ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔

سن شعور کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد مجھے سب سے پہلے جس شخصیت نے متاثر کیا وہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی بالکل شخصیت تھی۔ ان کی تقریریں سن کر مجھے تقریریں کرنے کا شوق پیدا ہوا اور انداز خطابت میں میں نے جتنا اثر ان سے لیا کوئی دوسرا شخص اس حد کو نہیں پہنچ سکا۔ مجھے بارہا ان کے ساتھ مختلف مقامات پر جلسوں میں شامل ہونے اور تقاریر کرنے کا بھی موقع ملا۔ وہ ایک شفیق بزرگ کی طرح جس طرح میری تقاریر کے بعد اپنے خوبصورت انداز اور حسین و جمیل الفاظ کے ساتھ میری حوصلہ افزائی فرماتے اس سے میرے حوصلوں کو ایک نئی توانائی ملتی تھی۔

مجھے کچھ عرصہ ان کا سیاسی ہمسفر رہنے کا بھی شرف حاصل ہوا اور اس دوران میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ بہر حال صاحبزادہ صاحب کی ذات اقدس ایک ایسی متاع گراں مایہ تھی جو قوموں کا عظیم سرمایہ ہوا کرتی ہے۔ ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہماری ملت کا جو نقصان ہوا ابھی تک وہ خلا پر ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا۔

عزیزم غلام نبی شیخ نے حضرت صاحبزادہ کی زندگی کے بھرے موتیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے عقیدت مندوں تک ایک گلدستہ پہنچانے کی جو کوشش کی ہے وہ قابل تحسین ہے اللہ تعالیٰ اپنے جیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ملک محمد اکبر ساقی

صدر تحریک نظام مصطفیٰ صوبہ پنجاب و سابق صوبائی

جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے پاکستان

فہرست

۱۲	۱	ابتدائیہ
۱۷	۲	شجرہ نسب مبارک
۱۹	۳	حیات طیبہ کچھ انکی کچھ میری زبانی
۲۸	۴	ولی کامل
۵۹	۵	فاتح تحریک ختم نبوت
۹۱	۶	خطیب السلام
۱۳۳	۷	مشاہیر السلام
۱۵۹	۸	عظیم ہو سو پختہ

ابتدائیہ

جس طرح ہر بھول کی تعریف نہیں کی جاتی، ہر بلڈنگ کو قابل دید نہیں کہا جاسکتا اور ہر شعر کو اس کے سننے کے قابل نہیں سمجھا جاتا، بالکل اسی طرح ہر فرد بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اُس کا چرچا عام ہو۔ اُس کو اس کی زندگی کے علاوہ اُس کی موت کے بعد بھی یاد کیا جائے اور اُس پر کتابیں لکھی جائیں۔

میں یہ کتاب "میر کارواں" بھی ایک ایسی ہی شخصیت کے بارے میں لکھ رہا ہوں جو منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔

"میر کارواں" درحقیقت اس بلند پایہ ہستی کی حیاتِ بابرکات کی چند جھلکیاں ہیں جو عزمِ راسخ، جہدِ مسلسل، عملِ پیہم، یقینِ محکم اور توکلِ علی اللہ کی منہ بولتی تصویر تھی۔ جس نے دنیا میں بھی فلاح پائی اور آخرت میں بھی۔ اور وہ اپنے پیچھے ایک ایسی منور اور تابناک شاہراہ چھوڑ گئے جس پر چل کر ہر صاحبِ عزم انسان عروسِ کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔

دُنیا میں تین قسم کے بڑے لوگ گزرے ہیں۔ ایک وہ جنہیں بڑائی وراثت میں ملی ہے۔ دوسرے وہ جنہیں محض اتفاقات نے بڑا بنا دیا ہو۔ اور تیسرے وہ جنہوں نے تائید الہی کے بھروسے اور اپنے علمی و عملی بل بوتے پر بڑائی حاصل کی ہے۔

جناب حضرت صاحبِ جزا وہ صاحبِ کو بڑائی وراثت میں بھی ملی کیونکہ آپ کا خاندان برسوں سے گم کردہ راہِ انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام رہ رہا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ نے تائید الہی پر بھی کامل بھروسہ کیا اور اپنی دُنیا آپ پیدا کرنے کی سعی جمیلہ فرمائی اور پھر آسمانِ شہرت پر ایسا آفتاب بن کر چلے کہ آپ ابوالکلام بھی تھے اور خطیبِ الاسلام بھی، عظیم روحانی پیشوا بھی تھے اور جید عالمِ دین بھی، آپ مجاہدِ تحریکِ آزادی بھی تھے اور فاتحِ تحریکِ ختمِ نبوت بھی، آپ قابلِ قدر شاعر بھی تھے اور قابلِ رشک سیاستدان بھی، آپ بہترین مبلغِ دین بھی تھے اور ہو میو پیٹھی کے بے نظیر معالج بھی، عزیزِ آپ نے جس میدان میں قدم رنج فرمایا کامیابی و کامرانی نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ہے

مغرب سے کہو چھپرے تو
ذرا اُس جانِ تمنا کا قصہ

فرقت کے بھیانک لمحوں میں

ذرا دل کو سہارا ہو جائے

کتاب "میر کارواں" کے سلسلہ میں جن حضرات نے میری راہنمائی فرمائی
میں ان کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ خصوصاً صاحب جزا وہ حضرت سید خالد حسن
شاہ صاحب مدظلہ العالی و سید افتخار الحسن شاہ صاحب جنہوں نے قدم
قدم پر مجھے گائیڈ کیا اور جناب مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد
طاہر القادری صاحب اور خطیب ملت اور عظیم سیاسی لیڈر جناب ملک محمد
اکبر ساقی صاحب کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی گونا گوں
مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کتاب کے بارے میں اپنے خیالات
کا اظہار فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

جملہ حضرات "سیارہ ڈائجسٹ" کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے

اس معاملہ میں میری معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

غلام نبی شیخ

شیخ ہاؤس نزد میدان مسجد من بازار شکر گڑھ

شجرہ طریقت مشائخ آلو مہار شریف

خاتم النبیین سے حضرت ابو بکرؓ - حضرت سلمان فارسی - حضرت
 قاسم بن محمد - حضرت امام جعفر - حضرت بایزید - حضرت ابوالحسن -
 حضرت خواجہ منصور - حضرت خواجہ احمد - حضرت ابو علی فارمدی -
 حضرت یوسف بہدانی - حضرت خواجہ عبدالخالق - حضرت خواجہ محمد عارف -
 حضرت خواجہ محمود - حضرت خواجہ عزیزان علی - حضرت خواجہ بابا سموسی -
 حضرت خواجہ سید شمس الدین - حضرت خواجہ بہاؤ الدین شاہ - حضرت خواجہ
 علاؤ الدین عطار - حضرت خواجہ یعقوب چرخی - حضرت خواجہ عبید اللہ -
 حضرت خواجہ محمد زاہد - حضرت خواجہ درویش محمد - حضرت خواجہ اکنگلی -
 حضرت خواجہ محمد - حضرت مجدد الف ثانی - حضرت خواجہ محمد معصوم - حضرت خواجہ
 حمد اللہ - حضرت خواجہ محمد زبیر - حضرت خواجہ محمد اشرف - حضرت خواجہ شاہ
 جمال اللہ - حضرت خواجہ محمد عیسیٰ - حضرت خواجہ فیض اللہ - حضرت خواجہ نور محمد -
 حضرت خواجہ ہادی - حضرت خواجہ عین شاہ - حضرت خواجہ محمد امین - حضرت خواجہ
 سید محمد حسین شاہ - حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ۔

شجرہ نسب خاندان مشائخ آلومہارتشریف

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ ابن محمد حسین شاہ ابن سید محمد امین شاہ۔
 ابن خواجہ چمن شاہ ابن رمضان شاہ ابن سید جیون شاہ ابن سید امیر
 شاہ ابن سید میرال شاہ ابن سید رضا شاہ ابن سید خواجہ شاہ ابن سید
 حمزہ شاہ ابن حضر شاہ ابن سید رجب شاہ ابن سید نظام الدین شاہ
 ابن سید محمد شجاع ابن سید قاسم ابن سید حمزہ شاہ ابن سید زید الدین
 ابن سید زبیر شاہ ابن سید ہارون ابن سید اسمعیل ابن سید علی اصغر
 ابن سید جعفر ابن سید علی نقی ابن سید امام محمد تقی۔ ابن سید امام علی
 رضا ابن سید امام موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق ابن سید امام باقر ابن سید
 امام زین العابدین ابن سیدنا امام حسین ابن سیدنا علی المرتضیٰ رضی

حیاتِ طیبہ

کچھ میری کچھ اُن کی زبانی

آج اک صاحبِ کردار کی باتیں ہوں گی
 اس کی گفتار رفتار کی باتیں ہوں گی
 جو ملاتا تھا اندھیروں میں صداقت کے چراغ
 روشنی کے اُسی پینار کی باتیں ہوں گی

صاحبزادہ پیر سید محمد فیض الحسن شاہ صاحب

کوئی دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں نہیں ہوتا بلکہ وہ لمحہ، بُت
شکنی سے بہت پہلے اُسے جہنم دے لیا کرتا ہے۔ ایسے عظیم انسان صدیوں
کے طویل عرصہ کے بعد ہی مادرِ گیتی کی گود سے جنم لیتے ہیں۔ تاریخِ عالم
میں ایسی عہد ساز شخصیات روز بروز جنم نہیں لیتیں۔ تاریخ کو ایسے
عظیم انسانوں کے بابرکت وجود کے لیے ہزار ہا برس منتظر رہنا پڑتا ہے
بقول علامہ اقبالؒ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے لوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے جن میں دیدہ ور پیدا

اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے عظیم انسان جو تاریخ کے دھاروں کا
رُخ موڑ دیتے ہیں ہزار ہا سالوں کی کٹھن تپسیا کے بعد ہی وجود میں
آتے ہیں۔ جنکی عظمت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں دیکھ کر عظمت اپنا
معیار قائم کرتی ہے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب ایسی ہی ایک برگزیدہ اور پاک ہستی ہیں جن کا ظہور اس عالم کے لیے بابرکت قرار دیا جاسکتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب کی ہستی اُس معیار کی حامل قرار دی جاسکتی ہے کہ جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ اُسے دیکھ کر عظمت اپنے معیار کا پیمانہ بناتی ہے۔ صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایمان افروز واقعات کا امین ہے۔ آپ کی عظمت اور بزرگی کا ایک عالم معترف ہے۔ آپ کی زندگی گمراہیوں کے لیے ایک روشن مینارہ قرار دی جاسکتی ہے۔ فلاح کی راہ پانے والوں کے لیے آپ کی زندگی مشعل راہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب ایسی عجب روزگار شخصیات نے جنم لینا ہوتا ہے تو قدرت بھی اُس کے لیے ایسے سازگار ماحول کا انتخاب کرتی ہے جہاں اُس کی پرورش، تعلیم و تربیت اور پراقت کا مناسب بندوبست ہو۔ ایسا ہی کوئی گہوارہ اُس عظیم شخصیت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ مشاہیر عالم کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں آپ اُن کی سوانح حیات پڑھ کر یہ فرق ضرور محسوس کریں گے کہ قدرت نے ایسی تاریخ ساز شخصیتوں کے لیے ویسے ہی گہوارے کا انتخاب کیا جہاں سے پرورش اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر کے اُس ماحول میں انقلاب آفرین کردار

~~87264~~ 87264

ا کرنے کے قابل ہوں۔ چین کا سوشلسٹ انقلاب، نائنٹھٹیوں اور
 ظلم و ستم کی چکی میں پلے ہوئے عزیز دیہاتی کسانوں اور متوسط طبقہ کے
 بوڑھوں لوگوں کی جدوجہد کا مرہون منت ہے۔ ماؤزے تنگ جنہوں
 نے اس انقلابِ عظیم میں فیصد کن کردار ادا کیا۔ انہیں قدرت نے
 ایسے ہی ظلم و نا انصافی کے شکار طبقے میں جنم دیا۔ چو این لائی۔ ماؤزے
 تنگ چینی انقلاب میں اہم کردار ادا کرنے والے دونوں راہنما اسی
 پلے ہوئے عزیز چینی طبقے کے نمائندے تھے۔ جہاں انہوں نے جنم
 لیا، پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی اور ان کے حقوق کے
 لیے آواز اٹھائی۔ یہ ان دونوں راہنماؤں کی کاوش کا نتیجہ تھا کہ
 انہوں نے چینی عوام کو ظلم و نا انصافی کے خلاف جدوجہد کا شعور بخشا
 اور انہیں ظلم کے گھپ اندھیروں سے نجات دلائی۔

صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن صاحب کو چونکہ قدرتِ خداوندی نے
 دینی خدمات کے فروغ کے لیے چنا تھا۔ لہذا انہیں ایک ایسے گھرانے
 میں جنم دیا جو دینی علم و فضل میں علاقے بھر میں یکتا تھا۔ جس کی دینی
 عظمت اور مذہب سے وابستگی کسی سے پوشیدہ نہ تھی اور لوگ انہیں
 اسی وجہ سے عزت و احترامِ شخصیت قرار دیتی جاتی تھیں۔ وہ علاقہ کی
 درگاہ عالیہ (آلوہا رشتہ ریف) کے سجادہ نشین تھے۔ سید محمد حسین شاہ

صاحب نے اپنی پوری زندگی اسلام کی آفاقی تعلیمات کے فروغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ نے ہر موڑ پر باطل اور منافرت کے خلاف جدوجہد کی اور اسلام کے بول بالا کے لیے ہمہ تن مصروف عمل رہے۔

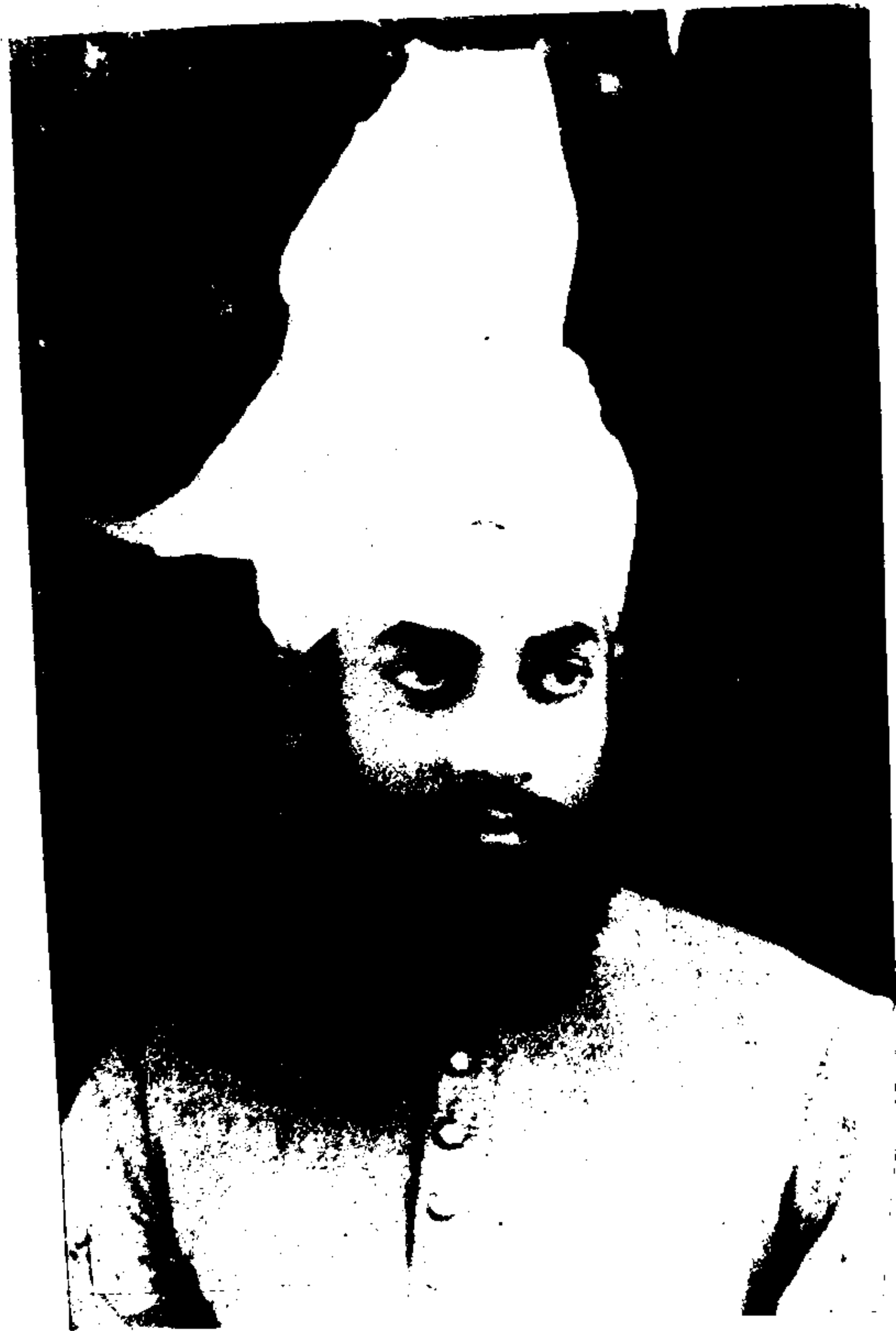
صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ صاحب، ضلع سیالکوٹ کے ایک مضافاتی قصبہ آلوہار شریف میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ مشرق کا یہ روشن و تابندہ آفتاب اس شان سے نمودار ہوا کہ اُس کے سر پر اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی کرنے والے روشن اور ابدی اصولوں سے چمکتا دمکتا تاج تھا۔ جس کی بابرکت کرنوں سے دُنیا نے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل کیا۔ صاحبزادہ صاحب نے دین کے فروغ کے لیے جدوجہد کو ہی اپنا مقصدِ حیات قرار دے رکھا تھا۔ دینِ اسلام کے فروغ کے لیے آپ نے جو عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہری حروف سے کندہ کی جائیں گی۔

صاحبزادہ صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر ہی سے حاصل کی۔ دینی علوم سے واقفیت حاصل کی۔ قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ دنیاوی تعلیم کے لیے مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہو گئے۔ عام نوجوان کی نسبت آپ طبعاً شریف النفس تھے۔ پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ انتہائی خوش اخلاق تھے۔

کالج بھرمی ہر دلعزیز ہو گئے۔ چونکہ فنِ خطابت سے بھی لگاؤ تھا اور اس میں اس حد تک طاق تھے کہ آپ اپنی پُراثر، ولولہ آلود خطابت اور خداداد صلاحیتوں کے باعث پورے کالج میں مقبول ہو گئے۔ آپ بلاشبہ اپنے طالبِ علمی کے دور میں کالج کی ہر دلعزیز شخصیت تھے اور کالج کا مایہ ناز سرمایہ شمار ہوتے تھے۔ دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی تعلیم سے بھی ناظر جوڑے رکھا۔ اور مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ مختلف علمائے کرام سے رابطہ قائم رکھا اُن کی محفلوں میں شرکت کرتے۔ دینی موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے اور اُن سے فیض یاب ہوتے۔

۱۹۳۳ء میں، جب آپ کے والدِ گرامی جناب حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب نے اس فانی دُنیا سے ناظر توڑا اور اپنی ابدی دُنیا کی طرف کوچ کر گئے تو اُس وقت صرف آپ کی ذات ہی اس لائق تھی جیسے آپ کے والد کا جانشین بنایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی آپ کو درگاہِ عالیہ، آلوہار شریف کا سجادہ نشین چُن لیا گیا۔ یہ آپ کے لیے انتہائی حیرت انگیز تجربہ تھا۔ اس سے پہلے آپ کے کندھوں پر ایسی ذمہ داریاں کا بوجھ نہیں تھا، لیکن آپ نے جلد ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر ثابت کر دیا کہ آپ ہونہار اور معاملہ فہم شخصیت ہیں۔ آپ نے

جس شان اور اعلیٰ طریقے سے سجادہ نشینی کا حق ادا کیا اُسے دیکھ کر لوگ عیش عیش کر اُٹھے۔ جس وقت آپ کو درگاہِ عالیہ کا سجادہ نشین منتخب کیا گیا اُس وقت آپ کی عمر صرف ۲۲ سال تھی۔ آپ کے والد ماجد ہی آپ کے مُرشدِ طریقت تھے، سو آپ نے اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام کے فروغ کے لیے مصروفِ عمل ہو گئے اور کم عمر ہونے کے باوجود اس میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ آپ نے اپنی ذمہ داریوں سے جس طرح عہدہ براہونے کی مثالیں قائم کیں اُس پر ایک عالمِ انجمنِ بدنداں ہے اور آپ کی قابلیت، ہونہاری اور معاملہ فہمی کا معترف بھی۔



Marfat.com

صاحبزادہ پیر سید محمد فیض الحسن شاہ صاحب نے اپنی سوانح
عمری میں تحریر فرمایا ہے۔

میں نے قرآن مجید کی تعلیم اور تربیت ایک ایسے خاندان سے
حاصل کی جس کا مقصد حیات ہی دین اسلام کا فروغ تھا اور معرفت
عبادت ہی مقصود حیات۔ سو ایسے ماحول میں آنکھ کھول کر جب میں
نے ہوش سنبھالا تو خدا شناسی اور خود آگہی کے تقاضے شدت سے
میرے وجود میں ابھرنے لگے۔ ایسے میں میرے آباؤ اجداد کے
حالات زندگی ان کی روشن تعلیمات ہی وہ مشعل راہ ثابت ہوئیں،
جنہوں نے مجھے ظاہری و باطنی علوم میں یکتا کرنے کے لیے اہم کردار
ادا کیا لیکن دینی تعلیم میں نے صرف اپنے گھرانے سے ہی حاصل نہیں
کی۔ بلکہ بہت سے دوسرے علمائے کرام سے بھی میں نے فیض اٹھایا۔
ان میں مولانا لطف اللہ کھٹک پوری اور مولانا عبد المجید سنبھلی کا میں ضرور

ذکر کرنا چاہوں گا جن کے علم و فضل سے مجھے دینی علوم سے کما حقہ آگہی حاصل ہوئی۔ یہ دونوں حضرات دین کی تبلیغ کی خاطر کئی سالوں سے آلومہار شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ اپنے روحانی سفر کے آغاز میں بعض سوالات بڑی شدت سے اُبھر کر میرے سامنے آئے۔ جنکی تسلی بخش تشفی نہ ہو سکی تو ایک اخصراً کی کیفیت طاری ہو گئی اور یہ حالات مجھے پریشان کیے رکھتے۔ بعض معائنات ایسے تھے جن کے جوابات سے میں واقفیت چاہتا تھا مگر اس کا سبب نہ بن رہا تھا۔ مثلاً صوفیائے کرام کا نظریہ کائنات و ذات راہِ طلب و سلوک کی کیفیات، نصابِ طریقت، فنا و بقا و غیرہ کے سوالات مجھے پریشان کیے رکھتے، لیکن پھر اس مشکل صورتِ حال سے مجھے مطالعہ کے ذریعے ہی نجات ملی۔

اور میں یہاں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ ان سوالات کے جوابات سے مجھے جتنی تسکین و تقویت حاصل ہوئی اُس کا دار و مدار حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات پر ہے۔ میرے سوالات کے تسلی بخش جوابات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مطالعہ سے حاصل ہوئے۔

مسائل شریعہ میں میرا مذہب حنفی ہے اور رموزِ طریقت و معرفت

کے سلسلے میں میرا مسلک نقشبندی مجددی ہے۔

کچھ ایسے سوالات جو مبہم طور پر دل میں موجود تھے۔ اُن کا جواب مجھے حضرت علامہ اقبالؒ کی کتاب بال جبریل پڑھ کر حاصل ہوئے اس کے مطالعہ سے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ہوا۔ طلب و تلاش کی نئی مہمگیں دل میں موجزن ہوئیں۔

اقبالؒ کی بال جبریل اُن دنوں طبع ہوئی تھی جب میں کالج کی تعلیم سے فارغ ہوا ہی تھا۔ علامہ اقبالؒ کے نظریات میرے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

خصوصاً اقبالؒ کا نظریہ خودی اور اس کی حقیقت کے بارے میں جان کر مزید تجسس ہوا۔ دل میں جستجو ہوئی۔ احساس پیدا ہوا کہ جستجو کی منزل خارج میں نہیں داخل میں ہیں۔ طریقت کی منزل میں میرا فاقی کی بجائے سیر نفسی کی اہمیت سے آگاہ ہوا۔ اقبالؒ کے نظریات و کلام میں اپنائیت کا احساس کچھ مجھے اس لیے بھی ہوا کہ چونکہ میری تربیت نقشبندی مجددی خانوادہ کے صاحبانِ مجاز کے زیر سایہ ہوئی تھی اور اقبالؒ کے اندازِ فکر میں اپنائیت پیدا کرنے کا موجب ٹھہری۔

اب مجھے اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی چاہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے حضرت اقبالؒ کے نظریات سے کما حقہ استفادہ اٹھانے کے لیے اسراہ

خودی اور رموزِ خودی کا عمیق مطالعہ کیا۔ اس سے پتا چلا کہ علامہ اقبال صوفیاء خصوصاً نقشبندی مدرسہ فکر کے نظریہ ذات اور کائنات سے بہت متاثر ہیں۔

خودشناسی اور داخلیت ہمیشہ سے فلسفہ کا خاص موضوع رہا ہے اور تصوف میں یہ موضوع ہی معرفتِ ذات کی اساس ہے۔ اس لیے جہاں کہیں بھی اس موضوع پر کچھ ملا، میں نے بڑے لگاؤ سے اسے پڑھا۔

پہلی صدی کے مادی نظریہ حیات کے برعکس اس صدی کے غیر مادی نظریہ حیات و کائنات نے زندگی کی روحانیت کے قریب کر دیا ہے اور تمام عالم شہود اور اس کے مسائل کو ایک ہی روحانی نظریہ کے تحت حل بھی کیا ہے اور اس کا انجام عرفانی وحدت پر منتج ہو کر رہے گا۔ اسی مناسبت سے اقبالؒ کے منظوم کلام سے مجھے خاص اُلٹس ہوا اور میں نے بہت اس سے اخذ کیا۔

حضرت مولانا رومی کے جذبِ مستی اور ذوق و شوق سے میں پہلے ہی بہت مانوس تھا اور جب اقبالؒ نے رومیؒ کو پیرِ رومیؒ مَرشدِ روشن ضمیر، کاروانِ عشق و مستی کہا تو اقبالؒ سے مجھے مزید یگانیت پیدا ہوئی اور یوں رومیؒ کے اثرات اور گہرے ہوتے چلے گئے۔ خودی

اثبات، خودی تو حید، مرشد خود شناسی عشق، داخلی واردات، ان کے شخصی اور اجتماعی زندگی پر اثرات مرد مومن کی تعلیم و تربیت کے سائل اور مدارج اور ان کی تکمیل کے مراحل سامنے آنے لگے اور تصوف کی چاشنی سے جب حکمتِ رومی اور اقبال کا اختلاط ہوا تو ایک نئی حسین و جمیل کیفیت وجود پذیر ہوئی اور کائنات اور اس کے مسائل کو روحانی نگاہ سے دیکھنے اور روحانی شعور سے حل کرنے کا ذوق پیدا ہوا۔

۱۹۳۳ء میں اپنے والدِ گرامی حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب کے وصال کے بعد آستانہ کا نظم و نسق اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا بار میرے کندھوں پر آن پڑا۔

والدِ گرامی، برٹش گورنمنٹ کے عہد میں فرسٹ کلاس آنریری مجسٹریٹ تھے، لیکن آزادی وطن کی تحریک اور انگریز کی عمومی اسلام دشمنی کے خلاف احتجاج کے طور پر اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ یوں آزادی وطن کی تحریک سے لگاؤ خاندانی وراثت کے طور پر ملا۔

یہ خلافت اور کانگریس کی ہنگامہ خیز تحریکات کا دور تھا۔ میرا عنفوان شباب تھا۔ مجلس احرار مسلمانوں میں حریت پسند جماعت سمجھی

جاتی تھی۔ مجلس احرار نے تحفظِ ختمِ نبوت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ یہی وجہ سے کم لیکن دینی وجہ سے زیادہ خدمتِ ختمِ نبوت کے لیے میں نے مجلس احرار سے تعاون کیا۔ اس دوران میں، تحریکِ فلسطین فوجی بھرتی کی مخالفت اور پھر تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں ساڑھے تین سال کے عرصہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں۔

جب دینی شعور پختہ ہوا تو سب کو چھوڑ کر میں نے جمعیتِ علمائے پاکستان سے وابستگی اختیار کر لی۔ جو پندرہ برس تک عملاً اور اب تک ذہناً موجود ہے۔

دس سال تک جمعیتِ علمائے پاکستان کی صوبائی اور مرکزی صدارت کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ جمعیتِ المشائخ کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ یہ وہ دور تھا جب اکابر علماء ملت موجود تھے جن کی مساعی جیلہ سے اہلسنت والجماعت کا ملی تشخص سنور کر سامنے آیا۔ حضرت شیخ الاسلام جناب خواجہ قمر الدین سیالوی، حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی، حضرت محدث اعظم ابوالفضل، حضرت سردار احمد، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور، حضرت ابوالحنات، مفتی اعظم جناب ابوالبرکات، فقہ اعظم حضرت نور الدین بصیر پوری کے دم قدم سے محفل آباد تھی۔ یہ اکابر دینی علمیت اور وجاہت کے لحاظ سے منفرد تھے اور بجا طور پر



Marfat.com

یہ لہا ہا سکتا ہے کہ یہ حضرات عہدِ آفرین شخصیات کے مالک تھے۔
ہمارے باقی علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ عمرِ خضر عطا فرمائے کہ یہ حضرات
کاروانِ سنیت کے روح رواں ہیں اور انہی کے دم قدم سے محفلِ
اہلسنت کے جن کی بہا رہے۔

اسلام کے دور سے لے کر آج تک عیسائی حکومتیں اسلامی مملکتوں
سے نبرد آزما رہی ہیں۔ عہدِ نبوت سے حق و باطل کا جو معرکہ چلا آ رہا
ہے وہ آج تک جاری ہے۔

روم سے عہدِ صحابہؓ میں نبردِ آزمائی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا
وہ نام و مقام کے اختلاف کے باوجود آج بھی حقیقت رکھتا ہے۔
وہ صلیبی جنگیں ہوں یا ترکوں اور عربوں کی معرکہ آرائیاں۔ حق و باطل
کا معرکہ جاری ہے، جاری رہے گا۔

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیری

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوئی و شانی

میں نے اپنے دور میں ترکوں پر فرنگی یلغار کا منظر دیکھا۔ ہندوستان
میں اس کے خلاف اجتماعی ردِ عمل کا مطالعہ کیا اور اپنے دورِ طفولیت
میں اس کا اثر لیا۔ خلافت کی تحریک کو دیکھا اور طویل جمود کے بعد
اسلامیانِ ہند کی رٹی بہادری پر خدا کا شکر ادا کیا۔ انگریزوں کی اسلام

دشمنی کے زیر اثر تحریک حریت میں حصہ لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔

میرے والد گرامی شاہ صاحب نے سرکاری اعزازات چھوڑے۔

میں نے بھی اس ہنگامہ خیز دور میں ہنگاموں کا ساتھ دیا، لیکن

معتصبانہ نظر کی وجہ سے کانگریس سے دور ہی رہا جہاں آزادی کی طلب دیکھی وہیں دست تعاون بڑھا دیا۔ کبھی مخالفت تو کبھی اصرار

سے رابطہ بڑھایا۔ جب مرزائیوں کو انگریزی استعمار اپنٹ اور اجرائے نبوت کا دعویدار دیکھا تو تن من دھن سے اس کی مخالفت شروع کر دی، قید و بند کے مراحل بھی طے کیے اور تحریک ختم نبوت

سے مخلصانہ اور کامیاب تعاون بھی کیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ استقامت نصیب رہی اور انجام کار مرزائیوں کو آئینی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا اور الحمد للہ یوں میری زندگی میں ہی تحفظ ختم نبوت کا ایک مرحلہ طے پا گیا۔

تحریک فلسطین سے اسلامیان پاکستان کا بڑا دیرینہ رابطہ ہے اس سلسلے میں بھی تحریک چلی اور مجھے کئی فلسطینی بھائیوں کے جہاد حریت میں قید و بند کے رنگ میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

فالحمد للہ علی ذالک۔

ہندوؤں کے تعصب نے مسلمانوں کو علیحدہ وطن کے مطالبے کے لیے

مجبور کر دیا۔ اس مرحلہ پر بھی سامراج نے رام راج کا ساتھ دیا اور ریڈ کلف ایوارڈ کی صورت میں پاکستان کے حصے بخرے کر دیئے۔ یہاں ایک قادیانی ظفر اللہ خاں نے انتہائی گھناؤنا اور غلیظ کردار ادا کیا اور جس کے باعث مسلمانوں نے زک اٹھائی

وریائی پانی اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مجاہدین نے حصول کشمیر کے لیے اعلان جہاد کیا تو میں نے گوجرانوالہ میں دفتر مجاہدین کشمیر کھولا۔ اور ہزاروں مجاہدین کو میدان جنگ میں بھیجا جن کے لیے اسلحہ اور دیگر ضروریات کی کفالت ادارہ مجاہدین نے ہی کی۔

پہلی تحریک ختم نبوت میں، میں نے ایک سال جیل میں گزارا۔ عذرو فکر کا موقع ملا۔ حالات کا جائزہ لیا۔ حضرت مولانا ابوالحسناتؒ کی رفاقت میں، مسلک اہلسنت والجماعت کے تحفظ کے لیے نوزائیدہ مملکت پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جمعیت العلمائے پاکستان سے تعاون کیا۔ تحریک ختم نبوت کے بعد لاہور میں منعقد ہونے والی کُل پاکستان جمعیت العلمائے پاکستان کانفرنس میں مجھے پنجاب کا صدر منتخب کیا گیا۔ یہ عظیم ذمہ داری میں نے دارالسلام میں کُل پاکستان سنی کانفرنس سے ٹوبہ کانفرنس تک ادا کی۔ وہاں حضرت خواجہ شیخ الاسلام محمد قمر الدین سیالویؒ کو جمعیت کا صدر چنا گیا۔ تو میں

اپنے رفقاء سمیت اُن کی قیادت میں دینی و ملی خدمات انجام دیتا رہا اللہ کا شکر ہے کہ زندگی کے آخری ایام تک اسلام کی ابدی اقدار کی ترویج و تنقید اور مسلک اہلسنت کی بہتری و بالادستی کے مقدس جذبات و احساسات دل و دماغ میں موجزن رہے اور اس ملک میں نظام مصطفیٰؐ کی روح پرور بہار دیکھنے کی حسرت بیقراری کی حد تک موجود ہے اور حضرت اقبالؒ کے اس خواب کی تعبیر کاشت سے انتظار ہے۔

۲۳ فروری ۱۹۸۴ء کو دن کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آپ کو گھبراہٹ کا احساس ہوا۔ اہل خاندان پاس تھے۔ آپ کے واصل باللہ ہونے کی ساتیں قریب آ رہی تھیں۔ آپ نے نقشبندی سلسلہ طریقت کے معمولات کو دہرایا۔ معاً آپ کے چہرے کی دلکشی و دلاویزی میں اضافہ ہونے لگا۔ پلنگ پر لیٹ کر اہل خانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "روشنی آ رہی ہے پردے ہٹا دو۔"

.... اور پھر خواب غفلت میں مدہوش انسانوں کو جگانے والی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

ولی کامل

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب بڑا فیض عام ہے تیرا
 پہنماں بے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا



اس کائنات میں تحت اثری سے اور ج شریا تک جس چیز پر
 نظر پڑتی ہے وہ اپنی ہی جیسی کسی دوسری چیز سے خوفزدہ نظر آتی
 ہے۔ حتیٰ کہ انسان بھی جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے وہ بھی اپنے
 جیسے ہی کسی نہ کسی فرد سے ہراساں رہتا ہے۔

ارض و سما میں ہر مادی طاقت کسی نہ کسی دوسری طاقت کے
 تابع ہوتی ہے مگر ایک طاقت ایسی بھی ہے جو کسی مادی طاقت
 کے زیر اثر نہیں آتی۔ وہ صرف اور صرف رب العزت کے سامنے
 سر خم کرتی ہے۔ اس طاقت کا نام طاقتِ ولایت ہے۔ یہ وہ طاقت
 ہے جو اس کائنات میں سوائے خدائے واحد کے آگے سر جھکانے کے
 کسی اور کے آگے سر خم نہیں کرتی۔

جب کوئی فرد انتہائی محنت سے زمین میں بیج بوتا ہے کہ کہیں
 اُس بیج کو پرندے نہ چگ لے جائیں اور جب یہی بیج ذرا نشوونما

پاکر زمین سے کوئیلے نکالتا ہے تو اب کسان کو اس کی حفاظت میں مزید سرگرمی دکھانا پڑتی ہے کیونکہ اب چرندوں کی طرف سے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ ان پودوں کو جو زمین کی کوکھ سے نکلے ہیں اُجاڑ ہی نہ دیں، لیکن جب یہی کمزور و ناتواں پودا بڑھ کر مضبوط اور تنومند درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کا مالک اب کسی قدر مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب اس درخت کو کسی چرند پرند سے نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جو پرندے اُسے اُجاڑنے کے درپے ہوتے تھے اب اس کی گھنی ٹہنیوں میں گھولنا بنا کر رہنے لگے اور جن چرندوں سے اُسے خوف تھا انہیں اب اس کے مضبوط تنے سے باندھا جانے لگا ہے۔

لیکن اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ درخت ہی طاقتور ہے جو منہ زور مویشیوں کو اپنے تنے کے ساتھ باندھے جاسکے کے بعد قابو میں رکھتا ہے۔ لہذا اُسے کسی کا ڈر نہ ہو گا ہرگز نہیں۔ یہ مضبوط و توانا درخت بھی ڈرتا ہے خوفزدہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی بڑھی اپنی آرمی یا کھہاری لے کر آگیا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، لیکن یہاں بڑھی بھی خوفزدہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے اُسے سرکاری درخت کاٹا دیکھ لیا تو کہیں وہ کسی سرکاری اہلکار

کو اطلاع نہ کر دے۔ جس کے نتیجے میں اُس پر مقدمہ چلے اور اُسے جیل کی ہوا کھانی پر ڈجائے، لیکن یہاں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سرکاری اہلکار ہی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سرکاری اہلکار بھی اپنے اعلیٰ آفیسرز سے خوفزدہ ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ آفیسرز جو اپنے سے کم درجے کے ملازمین کو اپنے رعب میں رکھتے ہیں وہ ملک کے حکمران سے ڈرتے ہیں، حتیٰ کہ ملک کا حکمران بھی ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی مخالف اُس کا تختہ نہ الٹ دے۔

ایک حکمران جس کے پاس دولت بھی وافر مقدار میں ہو۔ اُس کی حکمرانی کے تحفظ کے لیے چاک و چوبند افواج بھی ہوں۔ ملک میں اُس کے ایک اشارے پر ہر وہ کام ہو سکتا ہے جس کی وہ خواہش رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ خوفزدہ رہتا ہے اس کے برعکس ایک ولی اللہ جس کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ رہائش کے لیے عالیشان محل، نہ جاہ و حشمت کے اظہار کے لیے حفاظتی دستہ نہ کسی کا ڈر خوف نہ لالچ نہ کسی کی بالادستی قبول کرنے کا سوال۔ ہاں اگر وہ کسی سے ڈرتا ہے تو وہ صرف اور صرف خدا باری تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کی وہ ہر لمحہ عبادت کرتا ہے۔ توبہ استغفار کرتا

ہے اور نیک اعمال کے باوجود اللہ سے ڈرتا ہے کہ بچانے اُس
کا کون سا نفل خدا کو ناگوار گزرے اور وہ روزِ حشر ربِّ العزت کے
سلنے شرمندہ ہو اُس کی پکڑ ہو۔

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحبؒ ایک ولی کامل
تھے خدا کے برگزیدہ بندے۔ قرآن و سنت پر عمل کرنا ہی آپ کا
مقصدِ حیات تھا۔ ولی اللہ کیسی کی بالادستی قبول نہیں کرتے۔
وہ صرف اور صرف خدائے واحد کی خوشنودی کے لیے شب و روز عبادت
کو ہی اپنا شیوہ قرار دیتے ہیں۔

ایسے ہی ولیوں کے لیے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ
ہے کہ :

”اللہ کے برگزیدہ بندے وہی ہوتے ہیں جنہیں یہ

خوف نہیں ہوتا کہ وہ نکلین ہوں گے۔“

اسی طرح ایک حدیثِ مبارکہ میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ

”جب کوئی شخص اپنی فرضی عبادات کو کما حقہ ادا

کرنے کے بعد نفعی عبادات اس قدر زیادہ کرتا ہے کہ وہ

اللہ کا قرب حاصل کر لے تو وہ خدا کے نزدیک محبوب بن

جاتا ہے۔“

اسی طرح بخاری شریف میں درج ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ :
 "اللہ کے برگزیدہ اور محبوب بندے جو خدا کی قرآنی
 تعلیمات اور سنتِ نبویؐ پر مکمل عمل پیرا ہوتے ہیں تو پھر
 جب وہ اللہ سے کوئی سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو
 وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں۔"

ولیوں کے اس مقام کو مولانا رومیؒ نے کیا خوبصورت الفاظ میں فرمایا
 ہے کہ

ہر کہ خواہد بمنشینی با خدا

اولشیند در حضور اولیاء

صاحبزادہ صاحب کا شمار ایسے ہی اولیاء میں ہوتا ہے جو فنا فی اللہ
 کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ آپ صاحبِ کرامت ولی اللہ تھے۔
 اگرچہ آپ احوالِ باطنیہ کو خاص طور سے پوشیدہ رکھتے تھے
 اور اپنے باطنی معاملات کو ظاہر کرنا پسند نہ کرتے تھے، لیکن آپ
 کی چند کرامات اور بشارتیں پھر بھی زبانِ زدِ عام و خاص پر ہیں۔
 یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب ملک میں پہلے الیکشن ہو رہے تھے۔
 اُنہی دنوں ایک صاحب ایک حلقے سے الیکشن لڑ رہے تھے نام اُن
 کا مغفور احمد ساکن ڈنگہ تھا۔ ابھی نوجوان تھے اور زیرِ تعلیم بھی۔

وام الناس میں اتنے مصروف بھی نہ تھے۔ جبکہ اُن کے مد مقابل
 جوہری فتح محمد خاں مشہور و معروف شخصیت تھے۔ انہی دنوں
 صاحبزادہ صاحب کا اس حلقہ سے گزر ہوا تو مغفور احمد صاحب
 تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر سیدھے آپ کی خدمت
 میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضور میں آپ کا ایک ادنیٰ سامرید ہوں۔
 اپنی استطاعت سے بڑھ کر ایک کام کا بیڑا اٹھا چکا ہوں۔ دعا کریں
 کہ مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو۔

یہ سن کر صاحبزادہ صاحب نے اُن سے الیکشن کی صورتحال
 دریافت کی معلوم ہوا کہ مخالف فریق بھاری اکثریت سے کامیاب
 ہو رہا ہے۔ یہ سن کر آپ نے مغفور احمد کو کامیابی کی خوشخبری سنائی
 اور واپس بھیج دیا۔ مغفور احمد مطمئن و شادمان واپس پلٹے اور
 اپنے حامیوں کو جا کر اطلاع کی کہ صاحبزادہ صاحب نے کامیابی
 کی خوشخبری سنائی ہے۔ سو تم بھی خوش ہو جاؤ۔

صاحبزادہ صاحب نے اپنے مریدوں کو ہدایت جاری کی کہ مغفور احمد
 کو کامیاب کیا جائے۔ اگلے دن جوہری مغفور صاحب دوبارہ آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ حضور ابھی تک پلہ تو مخالف
 فریق کا ہی بھاری ہے۔ نیز بعض مریدوں نے آپ کی ہدایت پر عمل

بھی نہیں کیا۔ یہ سن کر صاحب جزاؤہ صاحب جلال میں آگئے اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ نتج محمد جو تین پونگ اسٹیشنوں سے بھاری اکثریت سے جیت رہے تھے اگلے مرحلے پر شکست کھا گئے اور یوں چوہدری مغفورا احمد ایک ولی کامل کی نگاہ کرم سے جیت گئے۔

اپنی اس کامیابی پر خوشی و مسرت سے شاد و ماں چوہدری مغفورا احمد صاحب جزاؤہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کیلئے شکر یہ ادا کیا۔ آپ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ کبھی تکبر نہ کرنا ظلم و نا انصافی کے خلاف جدوجہد کو مقصدِ حیات بنانا اور غریبوں کا خاص خیال رکھنا۔

۷ نگاہِ ولی میں تاثیر دیکھی

بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اس کرامت کے راوی سید متور حسین شاہ ہیں۔

صاحب جزاؤہ صاحب صرف اور صرف قرآن اور سنت کے پیروکار تھے ایسے موفی تھے جنہیں صرف حضور کے احکامات پر ہی کار بند رہنے کی چاہ تھی۔ حضرت صاحب جزاؤہ خدا کی ایک ایسی برگزیدہ ہستی تھیں جنہیں خدا اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا

کسی سے لگاؤ نہیں ہوتا۔ جو صرف خدا پر توکل رکھتے تھے اپنی ہر ضرورت صرف خدا سے بیان کرتے۔ آپ اُن چند دینی ہستیوں میں سے ہیں جو اپنی ضروریات کے لیے دنیاوی حاکموں کی طرف نہیں دیکھتے۔ جو اپنے عقیدت مند حاکموں کے بل بوتے پر عیش و آرام کی زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ آپ جیسا خود دار صوفی آج کے دور میں بھلا کہاں ہے۔

آپ نے اپنا مقصد حیات صرف اور صرف دین اسلام کی بھلائی اور اُس کے عروج کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کی سوانح حیات اٹھا کر دیکھیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ آپ محض وعظا کی حد تک تبلیغ نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں ضرورت پڑی وہاں آپ نے جہاد میں بھی حصہ لیا۔ مکران وقت کی مخالفت ہوئی۔ مصائب کو دعوت دی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے آپ نے اسیران کر بلا کی سنت کو پورا کیا۔ ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رکھا۔ کبھی خدا سے شکوہ نہ کیا۔ ہر حال میں اُس کی بندگی اور بزرگی کا اقرار کیا اور آزمائشوں کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سات ولیوں کی گود میں بیٹھنے اور اُن کی شفقت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ فرماتے ہیں جب میں جوان تھا اُن دلوں حضرت پیر سید

جماعت علی شاہ صاحب نے مجھے گود میں بٹھا کر پیار کیا۔ دعائیں دیں اور محبت آمیز کلمات سے نوازا۔ اور یہ میری زندگی کا بیشش بہا سرمایہ تھا۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید کاجج پہ جانے کا پروگرام بنا۔ اس نے آپ سے پوچھا۔ "حضرت۔ آپ کے لیے وہاں سے کیسا پسندیدہ تحفہ لاؤں؟"

تب آپ نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا: "جانی مرتبہ آنکھوں کے دربار میں اس غلام کا یہ ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا اور نظرِ کرم کا سوال عرض کرنا اور آتے ہوئے سیدہ پاک فاطمہ الزہراءؑ کی تربتِ الوار سے تھوڑی سی مٹی یا کوئی سنگریزہ لیتے آنا تاکہ مرتے وقت کفن کے اندر بیسنے پر رکھنے کی وصیت کروں گا تاکہ نجات کا ذریعہ بنے۔"

حضرت صاحبزادہ حضرت کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کی ذاتِ گرامی سے بے انتہا عقیدت و احترام تھا ان کی ذاتِ پاک سے عشق و تعلق اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

ایک مذہبی تقریب میں شجرہ خواجگان نقشبندیہ پڑھا جا رہا تھا کہ پڑھنے والے سے نادانستگی میں حضرت امام ربانیؒ کا نام رہ گیا۔ آپ کے چہرے پر غصے اور جلال کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ نے کسی قدر

سختی اور ناراضگی سے کہا: دوبارہ پڑھو، اُس شخص نے پھر پڑھا۔ اب کی دفعہ امام ربّانیؒ کا نام اس میں شامل تھا۔ جسے سُن کر آپؐ آبدیدہ ہو گئے۔ روتے جاتے اور فرماتے جاتے یہی مصرعہ پڑھو۔ یہی مصرعہ پڑھو۔ یوں تقریباً نو دفعہ حضرت امام ربّانیؒ کے نام کا ورد کروایا۔

جب آخری مرتبہ اُن کا نام لیا گیا تو آپؐ بھیگی پلکوں سے کھڑے ہو گئے۔ دوسرے حاضرین بھی اُنہی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کافی دیر تک آہوں اور سسکیوں کی فضا طاری رہی۔

حضرت صاحبزادہ فیض الحسن شاہؒ کو علامہ اقبال سے بہت اُنس تھا۔ آپ اکثر اُن کے ہاں تشریف لے جاتے اور گفتگوں اُن کے کلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر تبادلہٴ خیال کرتے رہے۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: "حضرت آپؐ پیرِ رومیؒ کے سب سے بڑے مرید ہندی ہیں۔ پیرِ رومیؒ سے فکری راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ اور آپؐ کی فکر میں ایک تفاوت مجھے اکثر پریشان کیے رکھتا ہے۔"

علامہ اقبال نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "وہ کیا صاحبزادہ صاحبؒ؟ آپ نے فرمایا: "حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ

لب یہ بند و گوش بند و چشم بند

گرنہ بیسنی ستر حق بر من بخند

جبکہ آپ فرماتے ہیں کہ

چشم و گوش و لب کشائے ہوشمند

گرنہ بیسنی ستر حق بر من بخند

گویا مولانا رومیؒ اسرار حق دیکھنے کے لیے لب کان اور آنکھیں

بند کرنے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ آپ اپنے کلام میں لب کان اور

آنکھیں کھلے رکھنے کو کہہ رہے ہیں یہ آپ کا اور ان کے نظائر میں

تفاوت نہیں تو اور کیا ہے ؟

یہ سن کر اقبالؒ نے فرمایا : "حضرت پیر اور مرید کا اندازِ فکر یکساں

یکساں ہے۔ پیر رومیؒ فرماتے ہیں، اپنے حواس کو اغیار کی طرف سے

بند کر، جب کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اپنے حواس کو خدائی جانب کھول

لے۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ حضرت موجودہ

دور میں آپ کس شخصیت کے فقر و عاقبت سے متاثر ہیں۔ آپ

نے فرمایا : "موجودہ دور میں بلاشبہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین

سیالویؒ ای ایسی شخصیت ہیں جو علم و عمل اور فقر و سادگی کا ایک اعلیٰ

ترین نمونہ ہیں۔ میں اُن کا دل کی انتہا گہرائیوں سے احترام کرتا ہوں۔
اس سلسلے میں آپ نے اُن کی عظمت کا ایک واقعہ سناتے ہوئے
کہا:

”۱۹۷۱ء کے انتخابات میں ایک شخص جمعیت کی ٹکٹ پر کھڑا ہوتا
تھا۔ اور سرمایہ دار طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے جب حضرت خواجہ
سے اس خواہش کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سیٹ تو ہم نے
ایک دینی عالم کو دے دی ہے۔ چنانچہ وہ ناکام چلا گیا، لیکن کچھ
دلوں بعد تین لاکھ کی خطیر رقم کا ایک چیک لایا اور کہنے لگا حضرت
اسے قبول کر لیں۔ لنگر کے خرچ میں کام آئے گا۔ یہ سن کر آپ طیش
کے عالم میں آگئے اور انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا۔

”یہ لے جا۔ یہ بوٹی کسی دُنیا کے کتے کے آگے ڈال
دینا۔“

اُس دن مجھے شیخ الاسلام کی عظمت کا احساس ہوا۔
صاحبزادہ پیر سید کبیر علی شاہ آپ کے عقیدت مندوں میں
شمار ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب
سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ صاحبزادہ کبیرؒ کی شادی کو چند ماہ ہی ہوئے
تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا: ”حضرت میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھے

خدا تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے۔“

حضرت صاحبزادہ شاہ صاحبؒ نے جو اس وقت چلے پی رہے تھے۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر فرمایا۔

”صاحبزادہ کبیر! مبارک ہو۔ خدا آپ کو جلد ہی صالح بیٹے کی پیدائش سے نوازے گا۔“

وہ یہ سن کر خوش ہو گئے اور آپ کا شکر یہ ادا کیا۔

کچھ ماہ بعد خدا نے واقعی انہیں اولاد نرینہ کی دولت سے نوازا تو ان کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی اور انہیں حضرت پیر سید فیض الحسن شاہ صاحبؒ کی عظمت و بزرگی کا یقین آ گیا۔

حضرت کبیر علی شاہ فرماتے ہیں کہ :

”جب میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو مجھے خوشی ہوئی لیکن جب حضرت صاحبزادہ صاحبؒ خود بنا کسی اطلاع کے مجھے مبارک باد دینے آئے تو حیرت بھی ہوئی کہ انہیں کیسے علم ہوا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا۔

”کیوں صاحبزادہ صاحب میں مبارکبادوں یا آپ مجھے مبارکبادیں دیں گے۔“

میں نے خوشی و مسرت سے کہا : ”حضور! دونوں طرف سے

ہی ٹھیک ہے۔“

ملک اللہ بخش راوی ہیں کہ ہماری تحصیل شکر گڑھ میں صاحبزادہ صاحب کے بہت سے مرید ہیں۔ صاحبزادہ صاحب اکثر تحصیل شکر گڑھ کے دورہ پر آیا کرتے تھے۔ ان دنوں پختہ سڑکیں نہیں تھیں۔ اس لیے صاحبزادہ صاحب اکثر میل گاڑی کے ذریعے سفر کرتے۔

ایک مرتبہ تحصیل شکر گڑھ میں شدید بارش ہوئی زبردست ٹرالہ باری کی وجہ سے کھڑی فصلیں تک تباہ ہو گئیں۔ اتفاق سے انہی دنوں آپ تحصیل شکر گڑھ کا دورہ کر رہے تھے۔ ریل سے اترنے کے بعد آپ گھوڑی پر سوار ہوئے۔ راستے میں تحصیل شکر گڑھ کے نواح سے آئے ہزار ہا لوگ آپ کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ انہوں نے صاحبزادہ صاحب سے عرض کی کہ ہماری فصل بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ اناج کا دانہ تک ہمارے پاس نہیں۔ مویشیوں کا چارہ ختم ہو چکا ہے۔ آپ دعا فرمائیں تاکہ یہ مشکلات ختم ہوں۔

صاحبزادہ صاحب نے انہیں بھی دعا کرنے کی تلقین کی اور خود بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اور خدا کی قدرت چند ہفتوں بعد ہی تباہ شدہ فصل از سر نو

تیار ہو گئی اور ایسی بھرپور فصل آج تک تیار نہ ہوئی تھی۔ مولیشیوں کے لیے وافر مقدار میں چارہ بھی حاصل ہوا۔

صاحبزادہ صاحب کی یہ ایک عظیم کرامت تھی۔ چند ستوں میں سرسبز فصل تیار کر دینا ایک عظیم کرامت ہی شمار کی جاسکتی ہے۔ جناب حافظ محمد شبیر جماعتی گوجرانوالوی بیان کرتے ہیں کہ:

”دارالسلام میں کل پاکستان سنی کانفرنس ہو رہی تھی۔ صاحبزادہ صاحبؒ بھی اس میں شامل تھے۔ ایک درویش بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: حضرت۔ رات مجھ پر بہت کرم ہوا۔ میں نے خواب میں آنحضرتؐ کو بنفیس نفیس دیکھا۔ میں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ عنایت فرمائیں کہ جس سے دین و دنیا میں سُرخرو ہو جاؤں۔“

یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا:

”دارالسلام میں سنی کانفرنس ہو رہی ہے وہاں آلو ہمارا خریف کے سجادہ نشین صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ

بھی ہوں گے تم ان سے دریافت کر لینا۔“

یہ سن کر صاحبزادہ صاحبؒ پر رقت طاری ہو گئی اور ان کی آنکھیں فرط عقیدت و مسرت سے بھر آئیں۔ پھر ذرا اپنی حالت سے سنبھلے

اور اُس بزرگ کو ایک وظیفہ پڑھنے کے لیے بتایا اور نیک اعمال کرنے کی تلقین کی۔

اس قسم کی بہت سی بشارتیں اور کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔ جن کے گواہ آج بھی ہم میں زندہ موجود ہیں۔

فاتح تحریک ختم نبوت

واہ تیرا کیا کہنا اے آخری پیغامبر !
 حشر تک تانے رہے گی تیرے جلووں کی سحر
 تو نے ثابت کر دیا اے ہادٹی نوزع بشر
 مردیوں مہریں لگاتے ہیں جبین وقت پر
 کروٹیں دُنیا کی تیرا قصہ رٹھا سکتی ہنہیں
 آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی ہنہیں



Marfat.com

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب کے والد صاحب کا انتقال
ہوا تو سجادہ نشینی کی ذمہ داری آپ پر آن پڑی۔ یہ ۱۹۳۳-۳۴ء
کا دور تھا۔ جب متحدہ ہندوستان میں ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔
ہندوستان غلامی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ آزادی وطن کے

متوالے برطانوی سرکار (BRITISH GOVERNMENT)

کے ظلم و استبداد کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے۔ ان جیالوں کے
سامنے ایک ہی سوال تھا آزادی — یا فرنگیوں کی غلامی؟

ان حالات میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب کے سامنے
دو ہی راستے تھے کہ یا تو وہ خاموشی سے اپنے حجرے میں بیٹھ کر وعظ و
تلقین کریں یا پھر راہ حق کی جستجو کے لیے میدان عمل میں کود پڑیں۔
ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اگرچہ پہلا راستہ سکون بخش
تھا لیکن سید فیض الحسن شاہ صاحب نے اس کے برخلاف عمل

جدوجہد کی راہ اختیار کرنا زیادہ مناسب گردانا۔ یہ مردِ مجاہدِ باطل
نظریات اور قوتوں کے خلاف لکارتا ہوا میدانِ عمل میں اتر آیا
اور رسمِ شبیری ادا کرنے کے لیے اعلانِ جدوجہد کیا۔

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منشی انسانوں کے
تختِ جگہ آزادی کی یا تختِ مقامِ آزادی کا
شاہِ صاحبِ شمعِ آزادی کے پروانے بنے اور برصغیر کے چپے
چپے میں آزادی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ آپ کا آوازِ حق یوں
گوونجا کہ برطانوی سلطنت جس کا سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا آپ
کی جرأتِ آفرینی پر لرز گئی۔ آپ کو اس مقصد سے ہٹانے کے
لیے بھرپور کوششیں کی گئیں مگر آپ نے ڈٹ کر تمام مشکل حالات
کا سامنا کیا اور مجاہدینِ آزادی کے لیے عزم و استقلال کا پیکر بن
کر حرارتِ ایمانی کا باعث بنے۔

آپ تحفظِ ختمِ نبوت کے عظیم علمبردار تھے۔ حضورؐ سے عقیدت و
احترام کا یہ عالم تھا کہ جان تک آپ کے نام پر نثار کرنے کے
لیے تیار رہتے تھے۔ ایسا شخص بھلا کیوں کہ ختمِ نبوت کے منکر کو
برداشت کر سکتا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی حضورؐ کی تعلیمات اور
قرآنی ہدایات کے فروغ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس سلسلے میں

آپ نے محض وعظ و تلقین کا ہی سہارا نہ لیا بلکہ عملِ جدوجہد بھی اختیار کی۔

تحریکِ ختمِ نبوت میں آپ کی بے مثال جدوجہد پوری اسلامی دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ نے منکرِ رسول کو عبرتناک انجام تک پہنچانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔

متحدہ ہندوستان اور پاکستان میں آپ نے اس سلسلے میں انتھک محنت کی۔ آپ کی زندگی کے دو اہم مقاصد یہ تھے۔

اول۔ قیامِ پاکستان کے لیے مثبت جدوجہد۔

دوم۔ منکرِ رسالت کو جہنم رسید کرنا۔

قیامِ پاکستان کے لیے آپ نے جو کردار ادا کیا وہ محتاجِ بیان نہیں، لیکن ختمِ نبوت کے سلسلے میں بھی آپ کی مساعی ناقابلِ فراموش قرار دی جاسکتی ہیں۔

پاکستان کے حصول کے بعد آپ نے سیاسی دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی تمام تر توجہ دینی معاملات کی طرف مبذول کی۔ اس سلسلہ میں آپ نے قید و بند کی آزمائشیں بھی برداشت کیں۔

۱۸۲۵ء میں ضلع گرداسپور میں ایک لعنتی کردار مرزا غلام احمد

پیدا ہوا۔ یہ مردود بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے منخوس

شہرت حاصل کر گیا۔ اس کا باپ (مرزا غلام مرتضیٰ) سکھ دربار میں جرنیل تھا۔ عربی فارسی کی تعلیم حاصل کر کے اس ننگ انسانیت شخص نے ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کی ایک ضلعی عدالت میں ملازمت اختیار کر لی۔ باپ مرآتو علوم مذہبیہ کی جانب رجوع کیا۔

اس بد بخت اور عیار شخص نے متعدد کتابیں لکھیں جو مشرانگیز حد تک جھوٹ۔ لغو اور بیہودہ پن سے عبارت ہیں۔ بعض کتب میں اس شخص نے انگریز حکمرانوں کی شان میں قصیدے لکھے اور ان ظالم غاصبوں کو اپنا نجات دہندہ قرار دیا۔ جنہوں نے برصغیر میں ظلم و تشدد اور بربریت کی وہ مثالیں قائم کیں کہ شیطان بھی ان حرکات پر شرمسار رہ گیا۔ بد بخت مرزا غلام احمد قایانی انہی ننگ انسانیت قوم انگریزوں کی ملکہ و کٹوریہ کی شان میں قصیدے لکھے۔ مثلاً بد بخت مرزا غلام کی ایک کتاب (ستارہ قیصرہ) کے صفحہ نمبر ۱۵ پر لکھتا ہے۔

”اے بابرکت قیصرہ ہند (ملکہ و کٹوریہ) تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے۔ جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے

بھیجا ہے۔

اے ملک ہندو کٹوریہ خدا تجھے خوشی کے ساتھ عمر میں
 بھی برکت دے۔ تیرا عہد حکومت کیا ہی مبارک ہے کہ
 آسمان سے خدا کا ہاتھ تیرے مقصد کی تائید کر رہا ہے۔
 یہی بد بخت اپنی ایک اور کتاب "تبلیغ رسالت" میں انتہائی گمراہ
 کن اور غلیظ بکواس کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"ہر شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود

مانتا ہے تو اسی روز سے اُس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ

اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے۔ کیونکہ مسیح آچکا ہے۔"

یہی کاذب اعظم غلیظ اور نجاست سے بھرپور ذہنیت کا مالک

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ایک اور کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۲۶

پر بیان کرتا ہے کہ:

"خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری

جماعت کی پناہ اس سلطنت (برطانیہ) کو بنا دیا ہے۔ یہ امن

جو اس سلطنت کے سایہ میں ہمیں حاصل ہے نہ یہ امن مکہ

معظمہ میں ہے اور نہ مدینہ منورہ میں۔ اور میں تو کہوں گا نہ

ہی ایسا امن ہمیں سلطان روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ میں

حاصل ہے :

یہ انگریزوں کا غلام بد بخت مرزا غلام احمد قادیانی ایک اور جگہ لکھتا ہے :

” ہم اور ہماری اولاد پر یہ فرض ہو گیا ہے کہ وہ اس

مبارک سرکار انگلستان کے ہمیشہ شکر گزار رہیں ۔“

دشمن اگر مخالفت کرے تو اس کا دکھ نہیں ہوتا نیز اس کا مقابلہ بھی آسانی سے کیا جاسکتا ہے لیکن جب اپنی ہی صفوں میں سے جب اس طرح کے دشمن دین پیدا ہو جائیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے جب کوئی غیر مسلم اسلام کے خلاف باتیں کرے تو اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ اُسے اسلام کی روشن تعلیمات کا حوالہ دے کر قائل کیا جاسکتا ہے اور اُس کے باطل نظریات کی نفی کی جاسکتی ہے۔

لیکن جب ایسا شخص جو خود کو مسلمان کہلائے اور مسلمانوں کا عالم گردانے ایسے شخص سے جب اسلام کے منافی مواد سننے کو ملے تو اس بد بخت کو دوسرا کیا کہے ؟

چنانچہ جب بد بخت مرزا غلام قادیانی اپنے مذموم ارادوں اور عنیظ خیالات کو برسر عام بیان کرنے لگا تو مسلمانان ہند میں اُس کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ منکر نبوت کے خلاف ہر فرقہ

کے لوگ متحد ہو گئے۔ کیونکہ مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ ہو خواہ وہ اہلسنت ہوں یا اہل تشیع اس بات پر تو متفق ہی ہیں کہ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے اور آنحضرت اللہ کے آخری نبی ہیں اور اسی پر ایمان ہی اسلام کی بنیاد ہے۔

چنانچہ جب مرزا غلام قادیانی حد سے بڑھنے لگا تو مسلمانوں نے اس کے خلاف بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس فتنہ کو شروع میں ہی دبا دینا اسلام کی بھلائی شمار کیا جاتا تھا۔ سو اس سلسلے میں شروعات پہلے تو انفرادی سطح پر کی گئیں لیکن جب اس مساعی کا کوئی قابل ذکر نتیجہ نہ نکلا تو پھر اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ تمام مسلمانوں کو متحد ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔

۱۹۲۹ء میں اس فتنہ کے خلاف ایک باقاعدہ محاذ بنایا گیا جس کا نام مجلس احرار اسلام رکھا گیا۔ اگرچہ آگے چل کے اس جماعت نے سیاسی طور پر انتہائی بدترین غلطیاں کیں جن کی بدولت مسلمانان ہند کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن دینی سطح پر اس جماعت نے تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں قابل ذکر کام کیا۔ بد قسمتی سے اس جماعت کے عہدے دار اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ہزار ہا سال تک اکٹھے رہنے والے ہندو انگریزوں کی غلامی سے نجات ملنے کے

بعد بھی اسی طرح دیے رہیں گے لہذا پاکستان بنانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن قائد اعظم کی دوراندیشی اس بات کو بھانپ چکی تھی کہ چانکیہ کے یہ عیار گروہندو قوم مسلمانوں سے اب کسی بہتر سلوک کو روانہ رکھے گی اور ہر ممکن طریقے سے مسلمانان ہند کو نقصان پہنچانے اور رجانے کی کوشش کریں گی۔ لہذا انہوں نے ڈٹ کر اس نظریے کی مخالفت کی کہ ہمیں ہندوؤں کے ساتھ متحد ہو کر رہنا چاہیے اور تاریخ گواہ ہے کہ قائد اعظم کی دوراندیشی کیس حد تک برحق تھی۔ بہر حال چونکہ ہم اس باب میں مجلس اصرار اسلام کی سیاسی کوتاہیوں کا جائزہ نہیں لے رہے بلکہ تحریک ختم نبوت میں اس کے علی کردار کا جائزہ لے رہے ہیں لہذا مجلس کے سیاسی باب کو نظر انداز کرنا ہی مناسب رہے گا۔

مشہور و معروف سیاسی لیڈر جناب مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ :

صاحبزادہ صاحب قیام پاکستان کے بہت بڑے حامی تھے اور ایک آزاد مسم ریاست کے نظریے کے علمبردار۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کردار ادا کیا وہ محتاج بیان نہیں۔

اس لیے مجلس احرار اسلام میں آپ کی شمولیت محض ناموں کی رسالت کے تحفظ کی خاطر تھی۔ سیاسی سطح پر آپ نے ہر موڑ پر مجلس کے نظریات سے اختلاف کیا۔

بعض لوگ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب کے بارے میں یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ بھی تحریک پاکستان کے مخالفوں میں سے تھے اور اس کے لیے دلائل میں وہ آپ کی مجلس احرار اسلام میں شمولیت کو بنیادی پتھر گردانتے ہیں۔ اور اسی مسئلے پر روزنامہ امروز اپنی ۲۵ فروری ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں ایک ادارے میں تخریب کرتا ہے کہ: قیام پاکستان سے قبل اگرچہ وہ مجلس احرار کے رکن تھے مگر وہ حامیان پاکستان میں شامل تھے۔ اُن کا موقف تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درست ہے۔ اس کے حصول کے لیے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہیے۔ وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریے کے خلاف تھے کہ پہلے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالو بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ صاحبزادہ صاحب اس نظریے کے سخت مخالف تھے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی اور بالادستی سے بیک وقت نجات حاصل کی جائے۔

انہوں نے اپنے نظریے کی پُر جوش تبلیغ کی اور مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

صاحبزادہ صاحب کی علمی، دینی اور ملی صفات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا، ۱۹۳۵ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی تقریر سے ہوا۔

صاحبزادہ صاحب نے مسجد شہید گنج بخش تحریک شدھی اور راجپال کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

(روزنامہ امروز — ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء)

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب نے ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار میں شمولیت فرمائی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب لڑا بڑا وہ نصر اللہ خان، سردار محمد شفیع، خان مہندی زمان، خواجہ غلام حسین، عبدالرب نثر، حکیم عبدالسلام اور چند دیگر مشہور شخصیات نے بھی مجلس احرار اسلام میں شمولیت اختیار کی۔

۱۹۳۴ء میں مجلس احرار اسلام کی مرکزی عاملہ کے انتخابات منعقد ہوئے جن میں صاحبزادہ سید فیض الحسن، لڑا بڑا وہ نصر اللہ خان، حکیم عبدالسلام اور سردار محمد شفیع مرکزی عاملہ کے رکن منتخب ہو گئے۔

مجلسِ احرار میں شمولیت کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ناموس رسالت کے لیے بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہری حروف سے کندہ کی جائیں گی۔ ایک عالم گواہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے جان، ستھیلی پر رکھ کر ناموسِ محمدؐ کی خاطر جدوجہد کی اور دشمنانِ اسلام سے ٹکر لی جو اُس وقت حکومت میں بھی تھے اور طاقتور بھی۔ مسجد شہید گنج بخش کا واقعہ مسلمانانِ ہند کے لیے انتہائی دکھ اور غم کا پیش خیمہ تھا۔ مسلمان اس واقعہ سے دل برداشتہ ہو کر رہ گئے تھے اور یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے شرم ناک حد تک دلائل ثابت ہوا۔ اسی سلسلہ میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحبؒ کی زیر صدارت ہوا۔

۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو اخبار الفضل میں مرزا شبیر نے جو مرزا غلام قادیانیؒ کا بیٹا تھا۔ مجلسِ احرار کے قائدین کو قادیان میں دعوتِ مباہلہ دی۔ اُس زمانے میں قادیان، دشمنانِ اسلام کا گڑھ تھا اور وہاں جانا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا لیکن صاحبزادہ صاحب عزم و ہمت کے پیکر تھے۔ انہوں نے تمام تر خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قادیان جانے کا اعلان کیا۔ آپ کے

ہمراہ مولانا مظہر علی، مولانا محمد حیات، ماسٹر سراج الدین انصاری اور حاجی عبدالرحمن تھے۔ قادیان پہنچنے پر آپ کا جس طرح والہانہ استقبال کیا گیا وہ ایک تاریخی مثال ہے۔ ہزار ہا لوگ آپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔ صاحبزادہ صاحب نے خود نماز جمعہ پڑھائی اور آپ کے ہمراہ جانے والے مولانا مظہر علی انہوں نے خطبہ پڑھا۔ قادیانیوں کا خیال تھا کہ چونکہ اس وقت انگریز حکومت، ہندو اور کچھ مسلمانوں کی نسبت اُنہیں زیادہ اچھا سمجھتے ہیں اور ہماری حمایت کرتے ہیں لہذا مسلمان کسی صورت قادیان آنے کی ہمت نہ کریں گے، لیکن جب اُنہوں نے صاحبزادہ صاحب کا اعلان سنا تو اُنہیں یقین نہ آیا اور پھر جب صاحبزادہ صاحب قادیان بنفیس بنفیس پہنچے تو اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ دشمنانِ دین اس بات سے نا آشنا تھے کہ

آئین جو انہروں کا حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روبا ہی !

اس طرح جب قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی کوتاہیوں کے سبب قادیانی مملکتِ خدا واد کے اہم کلیدی عہدوں پر فائز ہو گئے اور درپردہ اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کی خاطر سرگرم

عمل ہو گئے تو ایک بار پھر ناموس رسالت کے پروانے میدانِ عمل میں نکل آئے۔

احمدیوں نے پاکستان کے اہم اداروں کی سربراہی ہتھیالی اور یوں درپردہ اپنے جھوٹے نبی غلامِ قادیانی کی فاسق۔ لغو اور بیہودہ تعلیمات کا پرچار کرنے لگے تو صاحبِ جزادہ صاحب نے سرگرمی سے اس کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا اور ہر اول دستے کی قیادت کی۔

مجلسِ احرار نے ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ ملک میں ہونے والے آئندہ انتخابات میں مجلسِ احرار بھرپور حصہ لے گی اور مسلم لیگ کی حمایت کرے گی۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں مسلم لیگی امیدوار باطل قادیانی امیدوار کے مقابلے میں کھڑے ہوں گے بھرپور تعاون کیا جائے گا۔

۱۹۵۰ء میں ملک میں پہلے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔ مجلسِ احرار فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آگئی اور مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کی خاطر جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ بروہہ ضلع جہاں کوٹی قادیانی مسلمانوں کے کسی امیدوار کے خلاف کھڑا تھا مجلسِ احرار نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لیے سر توڑ کوششیں جاری رکھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

جب الیکشن کے نتائج کا اعلان کیا گیا تو مسلم لیگ بھاری اکثریت سے انتخابات جیت گئی۔ قادیانی ایک سیٹ بھی نہ جیت سکے اس کامیابی پر مجلس احرار نے یوم شکر منایا۔ اس موقع پر صاحبزادہ صاحب نے اپنی ایک تقریر میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ:

” احمادیوں کو غیر مسلم قرار دے کر ملک میں اقلیت

کا درجہ دیا جائے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ اگر وہ

اسلام اور مملکت کے خلاف کسی قسم کی شرانگیزی پھیلاتے

ہیں تو پھر انہیں ہندوستان چلا جانا چاہیے۔“

گویا صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب پہلے مسلمان قرار دیئے جا

سکتے ہیں جنہوں نے قادیانیوں کو اقلیت اور غیر مسلم قرار دینے کا

مطالبہ کیا۔

صاحبزادہ صاحب ناموس رسالتؐ کی خاطر کٹ مرنے کے لیے

ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مددگار

شیدائی تھے کہ وہ دشمنوں کی طرف سے آنحضورؐ کے خلاف کسی قسم

کی گستاخی برداشت نہ کر پاتے تھے اور اس سلسلے میں احتجاج کرنے

کے لیے کسی قسم کے قانون یا ضابطے کی پابندی نہ کرتے تھے۔

حکومت پاکستان نے ملک میں دفعہ ۱۲۲ نافذ کر رکھی تھی، جس کی

پناہ میں قادیانی، دین اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے ایسے میں صاحب جزادہ صاحب ایک بار پھر حرکت میں آئے اور تمام ضابطے قانون نظر انداز کرتے ہوئے ۲۰ جون ۱۹۵۲ء میں مسجد شیرالوالہ باغ گوہرالوالہ میں ایک عظیم الشان جلسے کی صدارت کی۔ اس جلسے کی کارروائی کا آغاز مندرجہ ذیل لغزوں سے ہوا:

- مرزائیت مردہ باؤ۔
- ظفر اللہ قادیانی کو ہٹادو۔
- مرزائیت کو اقلیت قرار دو۔
- دشمن دین فاسق غلام قادیانی مردہ باد۔

یہ جلسہ چونکہ دفعہ ۱۲۲ کی خلاف ورزی میں منعقد ہوا تھا اسی لیے شاہ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا، لیکن ملک بھر میں پُر زور احتجاج کے باعث آپ کو جلد رہا کر دیا گیا۔

رہا ہونے کے بعد بھی صاحب جزادہ صاحب نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اسی طرح جب ۲۱-۲۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو آل مسلم پارٹیز کنونشن کاؤسکہ میں اجلاس ہوا تو آپ نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا۔

”جس طرح ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ گیدڑ سے خربوزہ

اور بل سے گوشت محفوظ نہیں رہ سکتا اسی طرح ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر ایک قادیانی ظفر اللہ کی جانت سے اور دوسرے قادیانیوں کی غلیظ حرکتوں اور مذموم مقاصد سے پاکستان سلامت نہیں رہ سکتا۔

میں اس بات کا بھی آج یہاں اقرار کرتا ہوں کہ اگر مرزائی اپنے باطل نظریے کے بیہودہ بن کو ترک کر کے اسلام کی پناہ میں نہیں آتے تو پھر میں رب العزت کی قسم کھا کہ کہتا ہوں کہ اپنی تمام تر قوت ان کے خلاف صرف کروں گا اور پھر محاذ پر ان کے مذموم مقاصد کے خلاف رکاوٹ پیدا کروں گا۔“

اسی طرح صاحبزادہ صاحب نے حکومت سے بھی یہ مطالبہ کیا کہ :

”مرزائیوں کی تمام زمینوں، کادخانوں اور دوسری املاک کو ضبط کر لیا جائے اور ان کے شیطانی گڑھ رلوہ کا بھی خاتمہ کیا جائے۔“

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیا اور

ملک بھر میں قادیانیوں کے خلاف اپنی مہم کو جاری رکھتے ہوئے جگہ جگہ جلسے کیے اور ان کے خلاف پابندی لگولنے کے لیے حکومت سے مطالبہ کیا۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب نے شیخوپورہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”ایک آدمی جو منصب نبوت کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اپنی ماں بہن کی عزت کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اُس سے یہ کیسے امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اسلامی مملکت کا تحفظ کر سکے گا۔ مرزا غلام قادیانی یہ بکواس کرتا ہے کہ جس شخص نے اُسے نبی نہ مانا وہ ایک ناپھنے والی کی اولاد کے بطن سے پیدا ہوا۔ گویا اس حساب سے پنجاب اور ملک بھر کے تمام وزراء اور حکومت کا سربراہ جو یقیناً اُس سے بہودہ اور بدکردار شخص کو نبی تسلیم نہیں کرتے وہ ناپھنے والی کی اولاد قرار دیئے جائیں گے۔“

میں اُن وزراء اور حکومتی سربراہ سے کہتا ہوں کہ اگر وہ حضور کی ناموس کا تحفظ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی ماں بہنوں کو تو اُس لعنتی کردار کی لغو باتوں سے محفوظ رکھیں

اُن کا تو تحفظ کریں !

مجلسِ احرار نے چونکہ روزِ اول سے ہی اس مسئلے کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر رکھا تھا۔ اس لیے جب قادیانیوں کا دائرہ عمل وسیع ہوتا گیا تو مجلسِ احرار نے عملی طور پر مزید جدوجہد تیز کرنے کا فیصلہ کیا اور حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ ان کے خلاف کارروائی کی جائے اور ان بدکرداروں کو نکیل باندھی جائے۔

اُس وقت کے وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین نے مجلسِ احرار سے ایک ماہ کی مہلت مانگی کہ وہ قادیانی فتنے کے خلاف کچھ نہ کچھ کارروائی کریں گے مگر اُن کا یہ کہنا طفلِ تسلی ہی ثابت ہوا اور اُنہوں نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ یہ دیکھ کر مجلسِ احرار نے ڈائریکٹ ایکشن لینے کا فیصلہ کیا۔

حکومتِ پاکستان نے جب یہ دیکھا کہ اب یہ سیلاب تھمنے والا نہیں تو اُس نے اس کے آگے کمزور بند باندھنے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو متحرک کر دیا گیا۔ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء میں انٹیلی جنس بیورو گورنمنٹ آف پاکستان کراچی نے سی۔ ڈی۔ آئی پنجاب کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ :



”تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں سول نا فرمانی کے لیے
 پنجاب میں جو شخص سب سے پہلے خود کو گرفتاری کے لیے
 پیش کرے گا وہ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب ہوں گے۔ اُن
 کے ہمراہ تقریباً... ۳۰,۰۰۰ ہزار مرید بھی خود کو گرفتاری کے لیے
 پیش کریں گے۔“

THE FIRST PERSON WHO WILL OFFER HIMSELF
 FOR ARREST IN CONNECTION WITH THIS AGITATION
 IN PUNJAB WILL POSSIBLY BE SOHIBZADA-PIR
 FAIZ-UL-HASSIAN-

WHO HAS ABOUT 30,000 MURIDS. IT IS
 SAID ALL HIS MURIDS WILL FOLLOW SUIT-

INTELLIGENCE BUREAU

GOVERNMENT OF PAKISTAN

KARACHI

FEB 14 . 1953

اور یوں بالآخر صاحبزادہ صاحب کی انتھک کوششیں کامیابی سے بھنگنا

ہوئیں۔ ۱۹۷۳ء کا وہ تاریخ ساز سال تھا جب ملک کے پہلے جمہوری
آئین میں حکومت وقت نے عوام کی اُمنگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے نامور
رسالت کے لیے بیڑا اٹھایا۔

ملک کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے صاحبزادہ صاحب
سمیت ملک کے تمام دینی علماء کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اُن
کے جذبہ صادق کو سراہا اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں جہاں ملک کو اسلامی
جمہوریہ پاکستان کا نام دیا وہیں واضح اور دو لڑک الفاظ میں اس امر کا
اعلان بھی کر دیا کہ :

”آج سے اس مملکت خداداد میں منکر رسالت، غیر مسلم کہلانے
گا اور اس سے وہ تمام حقوق واپس لے لیے جائیں گے جن
کے پاکستانی مسلم شہری حقدار ہیں۔ قادیانی اقلیت شمار ہوں
گے اُنہیں اپنے نظریے کے مطابق کام کرنے کی آزادی ہو
گی مگر صرف اُن قوانین کے تحت جو اقلیتوں کے لیے مملکت
میں نافذ کیے گئے ہیں۔“

یہ صاحبزادہ صاحب اور دوسرے دینی علماء کی زبردست کامیابی تھی
کہ برسوں کی جدوجہد کے بعد بالآخر خاتم النبیین کے نہ ماننے والوں کو کافر
قرار دے دیا گیا اور بلاشبہ اس نیک اور مقدس کام میں اُس وقت کی

پیپلز پارٹی کی حکومت بھی قابلِ تحسین ہے جس نے اس فتنے کا سدباب کیا جو عالمِ اسلام کو گھن کی طرح چاٹ رہا تھا، جو کام برسوں تک کوئی دوسری حکومت انجام نہ دے سکی وہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں کر دکھایا گیا اور اسے بلاشبہ اسلام اور خاتم النبیین کی سب سے بڑی خدمت قرار دیا جاسکتا ہے۔

المختصر صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کی زندگی کے کس کس لمحہ کا ذکر کیا جائے۔ آپ نے تو اپنی پوری زندگی ہی تبلیغِ دینِ مصطفیٰ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ ایک سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ بہت بڑے عاشقِ رسول تھے۔ عشقِ رسول آپ کی رگ و پے میں سما یا ہوا تھا۔ آپ نے ناموسِ رسالت کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ عشقِ محمد نے آپ کو زمانے کے ہر خوف و غم سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ جب بھی کسی محفل، کسی گفتگو میں آنحضرت کا ذکر آتا صاحبزادہ صاحب اپنا سر جھکا لیتے۔

صاحبزادہ صاحب کی مصطفیٰ سرکارِ دو عالم سے یہی چاہت تھی جس نے آپ کو ہر فکر و غم، خوف و ڈر سے دور رکھا، ہوا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مگر آپ نے ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ہر آزمائش کے بعد آپ غموں کی بھٹی میں۔

سے تپ کر گندن بن کر باہر نکلتے۔ عشقِ محمدؐ سے آپ اس قدر مرشار
تھے کہ کوئی موزخ آپ کے اس والہانہ اظہار کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔
آنحضورؐ سے آپ کی چاہت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی شاعری
کا زیادہ تر حصہ حضورؐ کی شان میں نعتوں سے مزین کیا ہے۔

مثلاً ختم نبوت کی تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں آپ کو برطانوی
حکومت نے گرفتار کر لیا اور گورڈ اسپور جیل میں آپ کو قید کیا گیا جہاں
آپ نے ایک لغت تحریر کی۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

طوفان بلا میں گران کی رحمت کا اشارہ ہو جائے

گرداب سفینہ بن جائے ہر موج کنارہ ہو جائے

خورشید کی رنگت اڑ جائے گر زلف میں پیدا جنش ہو

ماہتاب کا دل ہو دو پارہ گران کا اشارہ ہو جائے

منظر سے کہو چھڑے تو ذرا اس جان تمنا کا قصہ

فرقت کے بھیانک لمحوں میں کچھ دل کو سہارا ہو جائے

وہ جان جہاں گر آجائے کے بالیں پر مرضِ الفت کی

ہر غم کا مداوا ہو جائے ہر درد کا چارا ہو جائے

ماجزا وہ خود بھی حضورؐ کے شیدائی تھے اور دوسروں کو بھی اس بات

کی تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ بھی محبوبِ الہی سے محبت کریں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کو اگر فاتح تحریک ختم نبوت کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ زندگی بھر اس تحریک سے منسلک رہے اور اس قدر جدوجہد کی کہ آپ نے حکومت پاکستان کو اس بات کا قائل کر دیا کہ منکر حضور دراصل کافر ہی ہے۔ لہذا اُسے غیر مسلم قرار دے دیا جائے۔

جناب پیر سید کبیر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

”آج ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ہمیں جو درود و سلام کی آوازیں سنائی دیتی ہیں وہ صرف اور صرف صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کی انتھک محنت کا ثمر ہیں۔“

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ تحریک ختم نبوت میں صاحبزادہ صاحب کی مساعی کس قدر قابل قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔

سیالکوٹ میں آپ کی پہلی انقلابی تقریر تحریک ختم نبوت کے جیلے ہمیشہ یاد رکھیں گے، آپچی اس ولولہ انگیز تقریر سے کاخ فرنگیت اور مزائیت کے در و دیوار لرز اُٹھے اور باطل کے قلعوں میں شگاف پڑ گئے۔

ختم نبوت کے سلسلے میں آپ نے جو جدوجہد جاری رکھی اُس میں آپ کو بے شمار تکالیف اور مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ قید و بند کی

سزائیں بھگتنا پڑیں، لیکن آپ نے ہر ظلم و مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور یہ آپ کی ٹہنہ ہمتی اور حضورؐ سے چاہت کی اعلیٰ ترین مثال تھی۔

اگر کوئی شخص بذاتِ خود اپنی تعریف کرے تو لوگ اُسے شک اور طنز کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اگر اس کے دوست و احباب اور عزیز و اقارب اُس کی تعریف کریں تو لوگ کہتے ہیں کہ اپنے بندے کی تعریف کر رہے ہیں۔

لیکن اُس شخص کی اچھائیوں اور نیک نامی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جس کی تعریف نہ صرف یہ کہ اپنے کریں بلکہ مخالفین بھی اُس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے داد و تحسین کے ڈونگرے برسائیں جو صاحبزادہ صاحب کی عظمت، لیاقت، قیادت، سیاست، خطابت، علم دین، دینی حیثیت اور دیگر بے شمار خوبیوں کے معترف ہیں۔

جناب مرزا غلام نبی جانپاز، کاروانِ حرار کے نام سے برصغیر کی تاریخ آزادی تحریر کر رہے ہیں، وہ کاروانِ حرار کی جلد دوم کے صفحہ ۳۰۷ پر صاحبزادہ صاحبؒ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

مجلسِ حرار ان دنوں دو طرفہ لڑائی لڑ رہی تھی۔ ایک طرف تحریکِ شہید گنج میں پنجاب کے رجعت پسندوں سے

اور دوسری طرف قادیانیوں سے ڈبھیڑ ہو چکی تھی اگرچہ اس
 لڑائی میں حکومت پنجاب براہ راست دخل تھی، تاہم لڑائی
 کا رخ مرزائیوں کی طرف تھا۔ ایسے میں مجلس احرار نے اپنی
 عسکری تنظیم کو نئے سرے سے ترتیب دینا شروع کیا اور
 اس کے لیے خالقاہ آلوہار شریف ضلع سیالکوٹ کے سجادہ
 نشین صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کو سالار پنجاب
 منتخب کیا۔ جبکہ مرکز کے صدر شیخ حسام الدین تھے۔

”گو یا مجلس احرار کے جہدار اکیں یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کامیابی آستانہ
 آلوہار شریف کی شمولیت کے بغیر ناممکن ہے۔“

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ ۱۹۲۲ء میں مجلس احرار میں داخل ہوئے
 تھے۔ آپ کی قابلیت و لیاقت کی بدولت آپ کو احرار ورکنگ کمیٹی
 میں لے لیا گیا۔

صاحبزادہ صاحب، صاحب کردار اور گفتار کے غازی تھے۔ وہ جب
 تک احرار سے وابستہ رہے برطانوی سامراج ان کے خلاف طرح طرح
 کے بہانے ڈھونڈتا رہا، لیکن آپ کی جرأت ایمانی نے دشمن کو ہر موڑ پر
 شکست دی۔

اسی طرح مرزا غلام نبی جانباز ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

صاحبزادہ صاحب پنجاب کے روایتی پیروں سے الگ
تھلگ تھے۔ انہوں نے اپنے لیے ایک انفرادی مقام حاصل
کیا۔

حالانکہ مشاطہ فطرت نے اُن کے بناؤ سنگھار میں کہیں
بھی نیلی سے کام نہ لیا تھا۔ مضبوط جسم، سرو قد، کھلے گندمی
رنگت کا چہرہ، پرچشم آہوں نے ایسی بہار باندھی تھی کہ الامان
الحفیظہ

اکھاں یار دیاں توبہ معاذ اللہ

جنویں بھریاں پھرن ویو ایناں نی

اس پر کردار کا یہ عالم کہ جس راہ سے گزر جاتے آہٹ
تک نہ ہوتی تھی، انہی اوصاف کی بنا پر جماعت نے انہیں
عسکری ذمہ داریاں سونپ دیں۔ جسے انہوں نے خوب نبھایا۔

لیکن اُن دنوں کی بات ہے جب آتش جوان تھا گواچ بھی
کھنڈ رہتا ہے یہی کہ عمارت عظیم الشان رہی ہے۔

بہر طور جب تک مجلسِ احرار میں رہے خوب رہے۔

گویا صاحبزادہ صاحبؔ وہ آفتابِ تاباں ہیں جن کی درخشانی کے اپنے
پرانے سب معترف ہیں۔ صاحبزادہ صاحب علم و ادب کے ایک پہاڑ تھے۔

اپنی علمی قابلیت کی تمام مکاتیب فکر کے لوگ قدر کرتے ہیں۔
 ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی
 صاحبؒ سے آستانہ عالیہ علی پور شریف کی ذاتِ اقدس میں حاضر ہو کر
 حضرت صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کی مجلسِ احرار میں شمولیت پر سخت
 تنقید کی اور تاپسندیدگی کا اظہار کیا۔

اس پر حضرت لاثانیؒ نے جلال آمیز لہجے میں فرمایا کہ:
 ”تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کس روحانی خالوادے کا چشم و
 چراغ ہے۔ وہ جہاں بھی رہے گا باطل کی ہر الٹش سے
 محفوظ رہے گا۔“

بطح کے بچے کو تیرنا کوئی نہیں سکھاتا وہ خود بخود
 تیرنا جان جاتا ہے۔ کیونکہ تیرنا اُس کی فطرت ہے۔
 بچہ بط گرچہ شبینہ بود
 آب دریاں تا بہ سینہ بود
 میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ صاحبزادہ سید فیض الحسن سے
 قدرتِ سینت کا کام لے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے صاحبزادہ صاحبؒ
 کو رمضانِ سینت کے لیے بلکہ عالمِ اسلام کے لیے ایک قابل

قدر ہستی بنا دیا۔

حضرت لاثانیؒ نے جو پیش گوئی فرمائی وہ حرف بکرت

سچ ثابت ہوئی۔

خطیب السلام

ہم نے پھولوں کو دی ہے تابِ سخن
ہم نے کی آ کے گلشنِ آرائی

ہم نے بخشی کلی کلی کو زباں !!
ہم نے شبِ بنم کو دی ہے گویائی



Marfat.com

صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ صاحب بڑے صغیر کے نامور اور بے مثال خطیب تھے۔ آپ کا اندازِ بیباں منفرد تھا۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا اور ان دونوں زبانوں میں آپ بے مثل خطابت کے جوہر دکھاتے تھے۔

فصاحت صاحبزادہ صاحب کی لونڈی اور بلاغت خادمہ تھی۔ آپ کے دماغ کی بلند پروازی اپنی مثال آپ تھی۔ آپ کی آواز آسمان کے ستاروں سے زیادہ اُونچی، پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و توانا اور تیز رفتار ہواؤں سے زیادہ تیز تھی۔ آپ جب کسی موضوع پر محو سخن ہوتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے شمیرِ حیدری میدانِ جنگ میں بجلی کی طرح لپکتی، کوندتی تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی ہو۔

اُس کے ایک طرف براہین و دلائل کی شوکت اور دوسری طرف

معنویت کا بحر بیکراں موجزن تھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کبھی بھی شائستگی کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ کسی کو لعن طعن کرنا، طنز کے تیر چلانا آپ کا شیوہ نہ تھا۔ آپ ہمیشہ قابل فہم اور آسان اور شائستہ انداز میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے۔ آپ کی تقریر کا لفظ لفظ یوں خوبصورتی سے اپنی جگہ جڑا ہوتا گویا کسی زرگر نے زیورات میں انتہائی خوبصورتی سے موتی جڑے ہوں۔

صاحبزادہ پیر فیض الحسن صاحبؒ کا اندازِ بیاں اس قدر دلنشیں اور پُرکشش ہوتا کہ سبھی انتہائی دلچسپی سے خاموش بیٹھے سنا کرتے۔ آپ کا انداز بلاشبہ زالا اور الونکھا ہوا کرتا تھا۔ آپ کی خطابت اس قدر پُرکشش اور بااثر ہوتی کہ مجمع پر ایک ہو کا عالم طاری ہو جاتا اور لوگ دم سادھے آپ کو خطابت کا بے مثل سمندر بہاتے سنا کرتے۔

آپ جس موضوع پر بھی تقریر کرتے اُس میں اس حد تک مہارت کا اظہار کرتے کہ محسوس ہوتا کہ آپ کو اپنے موضوع پر مکمل گرفت حاصل ہے۔ آپ کی خطابت میں اتنی فصاحت اور دلنشینی ہوا کرتی کہ درختوں پر بیٹھے پرندے بھی حرکت نہ کرتے۔ گویا وہ

بھی آپ کے نوزانی اور پُر تاثر بیان سے مستفید ہو رہے ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرت صاحبزادہ پیر فیض الحسن صاحبؒ اپنی خطابت کی شروعات کرتے تو اس کی سحر آفرینی سے ہوا کے جھونکے بھی تھم جاتے۔ آپ کی آواز مبارک میں فطرتِ ربّانی کی طرف سے ایسی شرمینی ولذت تھی کہ ہر ذی روح آپ کے لفظ لفظ کو عقیدت و احترام سے سُنتا اور انتہائی لگن اور چاہت کا مظاہرہ کرتا۔

حضرت صاحبزادہ پیر فیض الحسن صاحبؒ کی تقاریر میں علم کی فراوانی ہوتی۔ نصیحت و ہدایات کے سرچشمے پھوٹتے۔ غرض آپ کی تقاریر مسلمانانِ عالم کے لیے ایک راہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میرا تعلق صاحبزادہ پیر فیض الحسن شاہ صاحبؒ سے ذاتی یا وقتی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ میں صاحبزادہ صاحبؒ سے خاندانی لگاؤ رکھتا ہوں۔ اس خاندانِ اقدس کی غلامی مجھے اپنے اباؤ اجداد کی طرف سے وراثت میں ملی ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات، ۱۹۷۷ء میں ہوئی جس وقت

نویں جماعت کا طالب علم تھا اور چترانہ میں رہا کرتا تھا۔ اُنہی دنوں حضرت صاحبزادہ پیر فیض الحسن صاحب "پھلواری" تشریف لائے تو آپ نے حسب معمول پہلے ناز جمعہ کی جماعت کروائی اور بعد میں وعظ فرمایا۔ اگرچہ یہ واقعہ آج سے تقریباً نو، دس برس پُرانا ہے میں اُس وقت کس نہی تھا، لیکن مجھے آج تک وہ منظر یاد ہے۔ لوگوں کو جب اطلاع ملی کہ صاحبزادہ صاحب بنفس نفیس وہاں ناز جمعہ پڑھانے آرہے ہیں تو لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اُن سے ملاقات و دید کا شرف حاصل کرنے کے لیے اُٹ آیا تھا۔

بلاشبہ اتنا بڑا اجتماع تحصیل شکر گڑھ کے نواح میں کسی نے نہیں دیکھا تھا جو صاحبزادہ صاحب کی آمد کی وجہ سے ہوا۔ لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو اُن کے وعظ میں شرکت کرنے موج در موج اُٹتا آ رہا تھا۔

ہر شخص صاف ستھرے لباس میں ملبوس اچھے پر ایک عجیب سی شادمانی سجائے صاحبزادہ صاحب کو دیکھنے کے لیے اپنی جدوجہد میں مصروف تھا۔

میں اپنے والد شیخ نور احمد کے ہمراہ اس اجتماع میں پہلی مرتبہ شرکت کے لیے گیا تھا۔ میرے والد صاحبزادہ صاحب کے فائل

مُرید شمار ہوتے تھے۔ اسی ناطے لوگ بھی میرے والد کی عزت کرتے تھے۔ انہیں صاحبزادہ صاحب سے تعلق کی بنا پر خاص پذیرائی ملا کرتی تھی۔ اُس دن اتنا زبردست ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ میں والد صاحب کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ وہ ہجوم میں راستہ بناتے شیخ کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں صاحبزادہ صاحب نے تشریف فرما ہونا تھا۔ اس طرح ہم کوئی بیس منٹ بعد شیخ کے قریب پہنچ گئے۔

صاحبزادہ صاحب شیخ پر تشریف فرما تھے۔ لوگ عقیدت و چاہت کی وجہ سے صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پاؤں چوم رہے تھے اور اُن کی نگاہِ کرم کے شدت سے خواہش مند تھے۔ اُن کے نزدیک پہنچ کر میں نے بھی سلام نیاز عرض کی۔

صاحبزادہ صاحب سیاہ شیروانی اور سفید شلوار قمیص زیب تن کیے ہوئے تھے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی اور دوسرے ہاتھ سے لوگوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے۔ گویا ایک ہاتھ لوگ چوم رہے تھے تو دوسرا تسبیح کے مقدس دانے۔

تھوڑی دیر بعد اُس عظیم الشان اجتماع کی کارروائی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت کی گئی اور نعت پڑھی

گئی اور پھر صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے فنِ خطابت کا اظہار شروع کیا۔

آپ نے مقصودِ کائنات کے موضوع پر لب کشائی فرمائی۔ آپ کا خطاب محض ایک تقریر نہ تھی بلکہ فصاحت و بلاغت کی ایک برکھا تھی۔ جو اپنی تمام تر برکتوں، مہربانیوں سے برکت رہی تھی، جو دلوں پر چھائے ہوئے منافرت کی دھول کو دھور ہی تھی اور ایمان کی ہریالی پیدا ہو رہی تھی۔

آپ فرما رہے تھے اور لوگ دم سادھے آپ کے خطاب کے سحر میں جکڑے خاموشی سے علم کے خزانے جھولیاں بھر بھر کر سمیٹ رہے تھے۔ نہ کسی کو دھوپ کی شدت کا احساس تھا نہ کسی قسم کی اور تکلیف کا۔ اُن کی تو خواہش تھی کہ بس صاحبزادہ صاحب بولتے جائیں اور وہ سنتے رہیں اور علم و ایمان کا یہ سمندر یوں ہی بہتا رہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ فرما رہے تھے۔

میں ایک حادثہ آپ کے سامنے
پیش کرتا ہوں کہ اگر مال گم ہو
جاتا ہے تو بات بڑی آسان تھی

دولت گم ہو جاتی تو بات بڑی
 آسان تھی، لیکن یہاں مصیبت
 یہ پڑی ہے کہ انسان گم ہو گیا
 ہے۔

کون انسان؟
 خلافت کائنات انسان۔
 کون انسان؟
 شاہکار تخلیق انسان۔
 ارے کون انسان؟
 لقد خلقنا الانسان فی
 احسن تقویم کا مصداق انسان۔
 وہ انسان جس کے لیے کائنات
 بنائی گئی ہے۔
 وہ گم ہو گیا ہے۔
 اور ایسا گم ہوا ہے کہ پتا نہیں
 چلتا کہاں گیا ہے۔
 آپ یہ کہیں گے کہ

لقد خلقنا الانسان في احسن
 تقويم و کی بات کرتے ہو۔
 لیکن یہ تو انسان ہے۔
 انسان روٹی بھی کھاتا ہے۔
 انسان بھول بھی جاتا ہے۔
 انسان گناہ بھی کرتا ہے۔
 اس میں محتاجی بھی ہے۔
 لیکن فرشتہ روٹی نہیں مانگتا۔
 انسان روٹی مانگتا ہے۔
 وہ پانی نہیں مانگتا۔
 یہ مانگتا ہے۔
 اُس میں شہوت نہیں۔
 اس میں شہوت بھی ہے۔
 یہ تو ہر آن کچھ نہ کچھ مانگتا ہے۔
 اور تم پھر بھی کہتے ہو کہ یہ
 اشرف المخلوقات ہے ؟
 یہ بلند تر ہے ؟

ارے اشرف تو وہ ہے جو کچھ
 نہیں مانگتا۔

جو بے نیاز ہے۔

لیکن یہ تو بڑا محتاج ہے۔
 تو جناب انسان کی محتاجی میں
 کائنات کی آبادی کا راز ہے۔
 اگر آج شکر گڑھ میں انسان
 آباد نہ ہوتا۔

جبرائیل آباد ہوتا، میکائیل آباد
 ہوتا۔ اسرافیل آباد ہوتا۔ عزرائیل
 آباد ہوتا۔

تو — نہ انہیں پیاس لگنا تھی۔
 نہ نلکے لگتے۔

نہ روشنی کی ضرورت تھی۔
 نہ بجلی آتی۔

نہ انہیں بھوک لگنا تھی۔
 نہ گندم کاشت ہوتی۔

نہ انہیں بھوک لگنا تھی —

نہ چاول کاشت ہونا تھا۔

نہ انہیں سردی لگنا تھی —

نہ کپاس کاشت ہوتی۔

نہ انہیں گرمی سردی کا تقاضا وارد

ہونا تھا — نہ مکان بننا تھا۔

تو ثابت ہوا کہ اگر یہاں جبرائیل

ہوتے تو کائنات کی زمین خراب

ہوتی۔ بخیر ہوتی۔ آباد نہ ہوتی

لہذا یہ انسان کی محتاجی تھی جس

نے ہر چیز کو قیمت بخشی۔ اور اسی

بات پر نماز کرتے ہوئے اقبالؒ

نے فرمایا۔

گناہ گار عزیز الدیار ہوں بسکین

تیرا خزاہ فرشتے نہ کر سکے آباد

میری ہی جفا کو دعا دیتا ہے

یہ تیرا جہاں بے نیاز

گو یا انسان محتاج ہے لیکن اللہ
 کی زمین کو آباد کرتے والا ہے۔
 کائنات کی آباد کاری کا راز ہے۔
 تو جناب عالی! جس انسان کے
 لیے سب کچھ بنایا گیا۔ اُس نے
 سورج کی شعاعوں کو گرفتار بھی
 کر لیا۔ چاند پر بھی کنڈیں ڈالنا
 شروع کر دیں۔ زمان و مکاں کے
 کے مسائل کا حل بھی تلاش کر لیا
 لیکن جب اس سے پوچھا حضرت
 انسان کون ہے؟

تم کہاں سے آئے ہو؟

تم کہاں جاؤ گے؟

تم کس لیے آئے ہو؟

تم کیا ہو؟

تمہاری ابتدا کیا ہے؟

تمہاری انتہا کیا ہے؟

تمہارا مقصد کیا ہے ؟
 تو ان سوالات کا جواب انسان
 نہ دے سکے گا تو انسان گم ہو گیا۔
 انسان کا گم ہونا ہی سب سے بڑا
 المیہ ہے۔

میں آپ کے سامنے ایک مثال
 پیش کرتا ہوں۔

ایک شہزادہ سیر کرنے گیا۔ راہ میں
 ایک بھنگن پر عاشق ہو گیا۔ عاشق
 ہو کر بھول گیا کہ میں کون ہوں ؟

میرا باپ کون ہے ؟

میری نسل کیا ہے ؟

میری اصل کیا ہے ؟

میں کون ہوں ؟ میرا خا صا کیا ہے ؟

میں کہاں سے آیا ہوں ؟ اور کہاں

جانا ہے ؟

وہ بھنگن کے گھر جا کر بھنگی ہو گیا۔

سر پہ لٹو کر رکھ لیا ہاتھ میں جھاڑو
 پکڑ لی۔ لگا گلیاں سر کیس صاف کرنے۔
 گو یاد دوسرے الفاظ میں وہ فریب
 صورت کا اسیر ہو گیا۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ کوئی
 صاحب بصیرت آکر اُسے بتائے
 کہ بھلے مانس تو بھنگی نہیں ہے۔
 تو شہزادہ ہے۔

تو صفائی کرنے والا نہیں ہے۔
 تو تو صفائی کرنے والا ہے۔
 تو غلام نہیں ہے۔

تو تو آقا ہے۔
 تو پابند نہیں — بلکہ آزاد ہے۔
 پھر تو اس بد بودار ماحول میں کیوں
 رہتا ہے۔

تو تو خوشبودار ہے۔
 تو پہلی بات یہ ہے کہ شہزادے

کی غلط فہمی زور کی جائے۔ اور
 اُسے بتایا جائے کہ وہ کون ہے؟
 اور جو اُس کو بتا دے کہ وہ کون
 ہے؟ تو اُسی کو مرشد یا پیر
 کہتے ہیں۔

تو عزیزانِ من! ہماری حالت یہ
 ہے کہ ہم سب لامکان سے آئے
 ہیں اور مکان میں پھنس گئے ہیں۔
 لازماً سے آئے تھے اور زماں
 میں گرفتار ہو گئے۔

مقامِ روح سے آئے تھے اور
 مادے میں مبتلا ہو گئے۔

جس طرح شہزادہ بھنگن کے گھر جا
 کر بھنگی ہو گیا اور اپنی اصل بھول
 گیا۔

بالکل اسی طرح ہم تھے تو نورانی
 اور روحانی۔ مگر اس مادی دُنیا میں

آکر مادے پر عاشق ہو کر ہم خود
بھی مادی بن گئے۔

آپ اور میں۔ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ
ہم مادی ہیں حالانکہ ہم حقیقت میں
نوری ہیں۔

بقول علامہ اقبالؒ

تیرا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغ دیدہ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں افرشتہ و چوڑ
کہ شاہینِ شاہ لولاک ہے تو

دیکھئے انسان ہاتھ پاؤں اور سر
کا نام نہیں بلکہ انسان کی حقیقت
کچھ اور ہے۔ غور کیجئے جب
اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

الست بربکہ۔ کیا میں تمہارا
رب نہیں؟

تو ہم سب نے جواب دیا تھا۔

”بلکہ“ ہاں — تو ہمارا رب ہے
 تو سوال یہ ہے کہ اُس وقت کون
 بولا تھا؟

ہمارے اعضا بولے تھے؟
 نہیں۔۔۔

یوم الست کو ہماری روحوں نے
 جواب دیا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ ہم مرتبہ روح میں
 اُس وقت بھی تھے جب زمین
 آسمان سورج چاند کچھ نہ تھا۔

ہم میں تو شعور بھی تھا۔ اگر ہم
 میں شعور نہ ہوتا تو سوال بے مقصد
 اور بے بنیاد تھا۔

ہمارا بلی کہنا دلیل ہے کہ ہم اُس
 کے حُسن سے آشنا تھے۔

اور یہی عشق ہے۔
 اُس کا پوچھنا حُسن ہے۔

ہمارا کہنا عشق ہے۔
پس حسن اور عشق کا رابطہ قائم
ہو گیا۔

تو پھر اس دُنیا میں آکر ہم نے
اس ازلی عشق کو اس مقدس
وعدے کو بھلا دیا اور اس دُنیا
کی حسین اشکال، تصورات، حسن و
جمال اور جلوہ ہائے پابہ رکاب
میں پھنس کر رہ گئے۔

زن اور زر سے دل لگا بیٹھے۔
حقیقی مقصد ہماری آنکھوں سے
اوجھل ہو گیا۔

واہ! حسرت!

ہائے افسوس!

اب مُرشد کا کام یہ ہے کہ وہ
ہمیں بتائے کہ تمہارا اصل محبوب
کون ہے؟

تم مادی ہو یا لوزی ہو ؟
 تم فانی ہو یا باقی ؟
 لامکانی ہو یا مکانی ؟
 لازمانی ہو یا زمانی ؟
 تو یہی پہلی معرفت ہے۔

تو جناب عالی۔ اب اس مادی اور
 فانی دنیا سے کون نکالے گا۔
 جو نکالے گا جس طرح بھی نکالے
 گا مرشد کہلائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحباً حضور اکرم
 کی شان میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
 دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سب
 سے اول کون ہے ؟
 سورج کے جلال نے کہا میں
 اول ہوں۔
 عرش کی رفعت نے کہا میں اول
 ہوں۔

فرش کی وسعت نے کہا میں اول ہوں۔

بیل کے ترغم نے کہا میں اول،
 کلیوں کے تبسم نے کہا میں اول،
 جنت کی نزہت نے کہا میں اول،
 حوروں کی نکہت نے کہا میں اول،
 نظامِ عالم کی قلمونیوں نے کہا میں
 اول۔

میں عالمِ حیرت میں کھو گیا اور تصور
 میں کملی والے سرکار کے حضور عرض
 گزار ہوا:

اے محبوبِ کردگار، نورالانوار،
 سرالاسرار، احمد مختار، اور اللہ
 کے یارِ صلی اللہ علیہ وسلم آپ
 ہی بتائیں کہ اول کون ہے؟
 تو یکایک حجاب اٹھنے لگے پرے
 ہٹنے لگے۔ بادل چھٹنے لگے۔ دینے کے

انوار چمکنے لگے۔ عاشقوں کے دل
 دھڑکنے لگے۔ آنسوؤں کے سائز
 چھلکنے لگے اور مدینے کی فضاؤں
 سے زبان ترجمان قدرت ایک
 صدائے دلنواز آئی۔

اول ما خلق نورمی۔

میرے آقائے فرمایا۔

سب سے اول میں ہوں۔

قدرت نے کہا مرحبا۔

فطرت نے کہا ماشاء اللہ۔

حوروں نے کہا الحمد للہ۔

اور عاشقانِ مصطفیٰ نے کہا سبحان اللہ

ترجمانِ حقیقت حضرت علامہ اقبال

نے فرمایا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقاں وہی یسین وہی طہ

عاجزادہ صاحب کے اس خطاب کے جوش سے لغزہ

تکبیر و رسالت بلند ہونے لگے۔ مجمع پر دھڑپاری ہو گیا۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے تمتانے لگے۔

صاحبزادہ پیر فیض الحسن شاہ صاحب کی زبان مبارک پھر حرکت میں آئی۔ بجلی کی سی تیزی میں دوبارہ گویا ہوئے۔

اور یہ حقیقت ہے جو مخلوق میں

سب سے اول ہوگا وہ خدا کے

قریب ہوگا۔ جو خدا کے قریب

ہوگا۔ وہ کامل ہوگا۔ جو کامل ہو

گا وہ اکمل ہوگا۔ جو اکمل ہوگا

وہ اقرب ہوگا۔ جو اقرب ہوگا

وہ مقصود کائنات ہوگا۔

وہ سب تکوین عالم ہوگا جو سبب

تکوین عالم ہوگا وہ باعث تخلیق

آدم ہوگا۔ جو باعث تخلیق آدم

ہوگا، وہ نبی اول ہوگا۔ جو نبی

اول ہوگا وہ قلم اول ہوگا، جو

قلم اول ہوگا وہ لوح اول ہوگا۔

جو لوحِ اول ہوگا وہ عقلِ اول
 ہوگا۔ جو عقلِ اول ہوگا وہ نورِ
 اول ہوگا۔ جو نورِ اول ہوگا وہی
 مجتبیٰ ہوگا اور جو مجتبیٰ ہوگا وہی

اور صرف وہی —

حضرت محمد مصطفیٰؐ ہوگا۔

صاحبزادہ صاحب نے بحیثیت مرکزی صدر جمعیت العلماءِ
 پاکستان فیصل آباد میں جو پہلی تقریر کی اُس کی کیسٹ راقم الحروف
 کے پاس اب بھی محفوظ ہے۔

آپ کا یہ خطاب رحمتِ عالم کے عنوان سے تھا۔ آپ
 نے عظمتِ مصطفیٰؐ پر لب کشائی کرتے ہوئے یوں فرمایا:

ہر فن کا ایک تقاضا ہوتا ہے
 جو فن پیش نہیں کرتا فنکار نہیں
 ہوتا۔ فن کار وہ ہے جو فن پیش
 کرتا ہے اور کاریگر وہ ہے جو اپنی
 کاریگری پیش کرتا ہے اور مصوّر
 وہ ہے جو تصویر کو پیش کرتا ہے۔

اور شعر وہ ہے جو شاعری پیش
 کرتا ہے اور معمار وہ ہے جو عمارت
 کو پیش کرتا ہے۔

لوگو! اگر فن کار فن پیش نہیں
 کر سکتا تو اُسے فنکار کوئی نہیں
 کہتا گا۔

اگر کاریگر۔ کاریگری پیش نہ کرے
 تو اُسے کاریگر کوئی نہ کہے گا۔
 اگر غالب دیوان نہ لکھتا تو اُس
 کو امام غزلیات کوئی نہ کہتا۔
 اگر حافظ فارسی میں غزل نہ کہتا
 تو اُس کو شاعر کوئی نہ کہتا اور اگر
 کوئی معمار شاہی مسجد کا حسین و
 جمیل مینار نہ بناتا تو اُس کو معمار
 کامل کوئی نہ کہتا اور اگر مصور تصویر
 میں حسین و جمیل رنگوں کا امتزاج
 پیش نہ کرتا تو اُس کو بھی مصور

کوئی نہ کہتا اور اگر خالق کائنات
 اپنے جلال و جمال کے ساتھ موجود
 ہوتا اور مصطفیٰ کو پیش نہ فرماتا
 تو اُس کو بھی خدا کوئی نہ کہتا۔
 فن دلیل فن کار ہے۔ اگر فن
 اعلیٰ ہے تو فنکار اعلیٰ ہے اگر
 فن کار ادنیٰ ہے تو فن ادنیٰ ہے
 اگر فن میں عیب ہے تو فن کار
 میں عیب ہے اور اگر فن کار
 میں کمال ہے تو فن میں بھی کمال
 ہوگا۔

چنانچہ فنکار کو دیکھنا ہے تو فن دیکھ
 لو۔ مصور دیکھنا ہے تو تصویر دیکھ
 لو۔ معمار دیکھنا ہے تو عمارت دیکھ
 لو۔ عظمتِ غالب کا جائزہ لینا ہے
 تو دیوانِ غالب کو پڑھ لو۔ حافظ
 کے کمال کو دیکھنا ہے تو اس کے

کمال کو دیکھ لو اور اگر خدا کی
خدائی کو دیکھنا ہے تو مصطفیٰ کی
مصطفائی کو دیکھ لو۔“

صاحبزادہ پیر فیض الحسن شاہ صاحب کی تقریر سنتے وقت
یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے سامنے ایک کتاب کھلی رکھی ہے
اور ہم اُس کے حروف پڑھ نہیں رہے بلکہ نظر دوڑا رہے ہیں۔
کیونکہ صاحبزادہ صاحب کی آواز اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آپ ایک
منٹ میں کم از کم پانچ سو الفاظ بھی اس خوبصورت، دلنشین اور
چمکے انداز میں کہہ جاتے ہیں کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں
کہ صاحبزادہ صاحب الفاظ کو خود تیار کرتے ہیں یا الفاظ خود تیار
ہو جاتے ہیں۔

آپ ایک ہی سانس میں بے شمار حقائق بیان فرما جاتے
تھے۔ جیسا کہ ایک مقام پر عورت کی عظمت کا اظہار کرتے
ہوئے یوں فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! عورت ذلیل ہو گئی
جب مرد تہذیبِ فرنگ کے
ریلے میں بہہ گیا تو میں مایوس

نہ ہوا۔ میں نے کہا۔ کیا ہوا؟
 اگر میرا نوجوان تہذیبِ فرنگ
 کے ریلے میں بہہ گیا ہے خدا
 میری ماں۔ خدا میری بیٹی خدا میری
 بہن کی آغوش کو سلامت رکھے
 کیونکہ ان جھولیوں میں حیات تو
 پیدا ہو جائے گی۔

جب تک ماں کی مومناں جھولی
 سلامت ہے۔ اس میں سنتِ فاطمہؑ
 کے تھامنے موجود ہیں۔ اس میں
 صفتِ حسینؑ والی اولاد پیدا
 ہوتی رہے گی۔

لیکن جب میں نے دیکھا کہ تہذیبِ
 فرنگ کے جھونکوں نے اس
 فضیل کو بھی گرا دیا ہے اور عورت
 جو علوت کی شمع تھی وہ خلوت
 کو چھوڑ کر جلوت میں آگئی ہے

اور عزتیاں ہو کر سڑکوں پر پھرنے
 لگی ہے تو میں مایوس ہو گیا کہ
 اب مومن کہاں پیدا ہوں گے
 اس لیے دماغ تو مدرسے میں
 بیٹے ہیں اور دل ماں کی جھولی میں۔
 اور لوگو۔! سن لو۔۔ خدا کی
 قسم۔۔ اگر ماں چور ہوگی تو بیٹا
 ڈاکو ہوگا۔ اگر ماں جاہل ہوگی
 تو بیٹا احمق ہوگا۔ اگر ماں بُردل
 ہوگی تو بیٹا دیوث ہوگا۔ اگر
 ماں بہادر ہوگی تو بیٹا غازی
 ہوگا۔ اگر ماں صحت مند ہوگی
 تو بیٹا پہلوان ہوگا اگر ماں
 سیاستدان ہوگی تو بیٹا حکمران
 ہوگا اگر ماں عبادت گزار ہوگی
 تو بیٹا ولی ہوگا۔ اگر ماں کینز
 فاطمہ ہوگی تو بیٹا خادم حسین

ہوگا۔

صاحبزادہ صاحب نے مندرجہ بالا بہترین مدلل اور پُر از معنی عبارت صرف پنتالیس سیکنڈز میں، ایک ہی سانس میں ادا فرمائی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ خطابت کی کس بلندی پر فائز تھے۔ آپ کو بجا طور پر شہنشاہِ خطابت کہا جاتا تھا۔ آپ کی خطابت محض الفاظ کی نہیں بلکہ موثر دلائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ آپ کو ابوالکلام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

صاحبزادہ صاحب کی خطابت کا لوہا اپنے پرانے سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنے عقیدے کی بنا پر صاحبزادہ صاحب کی مخالفت کرتے ہوں لیکن بحیثیتِ خطیب صاحبزادہ آلومہار شریف کا جو مقام تھا اُس کے سب لوگ بلا امتیاز فرقہ و مسلک دلی طور پر معترف ہیں۔

جناب قاری محمد طفیل رضوی اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے تقریباً بیس برس قبل جبکہ میرا زمانہ طالبِ علمی تھا جامعہ اسلامیہ اہل حدیث چاہ شاہاں والا گوجرانوالہ میں ایک مرتبہ

تمام مکاتیبِ فکر کا ایک مشترکہ جلسہ منعقد ہوا۔
جس میں:

مولانا محمد اسماعیل سلفی (الہدیت)

مولانا عبدالرحمن جامی (خطیب شاہی مسجد لاہور)

مولانا مفتی عبدالواحد (دیوبندی)

علامہ عبدالعزیز انصاری (مسلم لیگی)

جیسے علمائے ملت اور سیاست دان موجود تھے۔ مذہبی
مخالفین نے کہا کہ آج پتہ چلے گا کہ علماء کی مجلس میں صاحبزادہ
صاحب کس طرح تقریر کرتے ہیں۔ اس جلسہ کے آخری
مقرر آپ تھے۔ آپ نے اپنے جوہر خطابت سے سامعین
کو یوں گرمایا، تڑپایا کہ اہل حدیث کے قائد جناب علامہ
احسان الہی ظہیر صاحب بے ساختہ کہہ اُٹھے۔

”اگرچہ ہمارے مسلک میں کسی کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز
ہیں۔ مگر کاش صاحبزادہ صاحب ہماری جماعت میں
ہوتے تو ہم اُن کے پاؤں کو بوسہ دیتے۔“

خود راقم الحروف نے کئی بار ایسا دیکھا کہ جب بھی صاحبزادہ

صاحب راقم الحروف کے گھر تشریف فرما ہوتے مہزار ہا مرید شریف باریابی کے خواہش مند ہوتے۔ ان میں دوسرے مسالک کے افراد بھی شامل ہوتے اور بلا مبالغہ وہ صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پاؤں چومنے کی سعادت حاصل کرتے اور دعائے خیر کی گزارش کیا کرتے۔

بھارت جو پاکستان کا ازلی بدترین دشمن ہے اپنے غیظ مقاصد کی تکمیل کے لیے ۱۹۶۵ء میں چوری چھپے پاکستان پر حملہ آور ہوا لیکن مسلمانانِ پاکستان نے اس مکار ہندو قوم کو ایسا سبق سکھایا کہ برسوں وہ اپنے زخم چاٹتے رہے۔

مسلمانانِ پاکستان ہر اختلاف بھلا کر متحد ہو گئے اور اس عیارِ قوم کے خلاف صف آرا ہوئے۔

صاحبزادہ پیر فیض الحسن شاہ صاحب نے اس موقع پر پاکستانی عوام کے دلوں کو جذبہ جہاد سے گرمانے کے لیے دن رات کام کیا۔ ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں اجتماعات سے خطاب فرمایا اور بلا مبالغہ ان اجتماعات میں حاضر ہی بعض اوقات ہزاروں سے پھلانگ کر لاکھوں میں ہوا کرتی تھی۔

اُس زمانے میں ریڈیو پاکستان نے آپ کی تقاریر کو نشر

کرنے کا اہتمام بھی کیا۔

آپ کی ان عظیم اور ناقابل فراموش مساعی کے شرف میں حکومت پاکستان نے آپ کو تمغہ پاکستان کے اعزاز سے سرفراز کیا۔

معروف صحافی سجاد میر روزنامہ نوائے وقت کے ایک کالم میں صاحبزادہ صاحب کی خطابت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ صاحبزادہ سید فیض الحسن بڑے زور کے خطیب تھے بلکہ منفرد انداز بھی رکھتے تھے اتنا تیز بولتے تھے کہ خود کہا کرتے سی۔ آئی۔ ڈی والو اپنی قلمیں تیز کر لو۔ لکھنا چاہو گے بھی تو نہ لکھ سکو گے۔ بجلی فیل ہو جاتی تھی لیکن صاحبزادہ صاحب کی زبان میں خدا نے کوئی رکاوٹ نہیں رکھی تھی۔ وہ بلاشبہ بجلی کی تیزی سے بولتے تھے۔ ہم نے اتنی شاندار تقریر کرتا کوئی دوسرا خطیب نہیں دیکھا۔ وہ بڑی مرقع اور مسجع زبان برق رفتاری سے یوں بولتے کہ لگتا بجلی کو بند ہی ہے۔ ذکر رسول کرتے تو لوگ جھوم جھوم جاتے میلاد

کی محفلوں میں بھی آپ ایک سماں باندھ دیتے۔
 عجیب خطیب تھا جو ایک عرصے سے خاموش تھا۔
 لیکن اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ وہ اپنے قید
 کا آخری آدمی تھا اور غالباً اپنے قید میں بھی تنہا تھا۔
 حضرت مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں
 کہ:

ایک مرتبہ میں نے صاحبزادہ صاحب کو عارف والا
 میں میلاد شریف کی ایک محفل میں مدعو کیا۔ آپ نے ساڑھے
 تین گھنٹے "رحمت اللعالمین" کے موضوع پر اس قدر جامع
 اور موثر خطاب فرمایا کہ آپ کے خطاب سے متاثر ہو کر
 اسی جلسہ میں تین سو افراد اپنے عقیدے سے تائب ہو کر
 مسلک اہلسنت میں داخل ہو گئے۔ اس کو کمالِ خطابت
 کہہ لیں یا کرامت۔ آپ ایسے پیر طریقت تھے جس کا فرمایا
 ہوا نیاز مندوں کے لیے قول و فعل کا درجہ رکھتا تھا۔
 رمز آشنا معرفت تھے جب عرفان ذات اور خدا
 شناسی کے مراحل و مدارج کی تشریح کرتے تو علم و فلسفہ
 کا بحر بیکراں مٹھا مٹھیں مارتا دکھائی دیتا۔

حضرت علامہ یعقوب صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ :
 ”حضرت خطیب ملت کا ساتھ اور تحال دُنیا کے ایمان
 کے لیے ایک ایسا صدمہ عظیم ہے جو کبھی نہ بھولے گا۔ میں
 نے عرب کے شعبہ بیان خطیب ذوالحجاء مصری کو سنا ہے
 اور ہندوستان کے بلند پایہ خطیب ابوالکلام آزاد کو بھی
 سنا ہے مگر یہ بات کہتے پر مجبور ہوں آج تک میں نے
 صاحبزادہ صاحب جیسا قادر الکلام خطیب نہیں سنا۔
 ایک ہارسیاکوٹ میں جلسہ سے خطاب فرما رہے تھے
 میں نے گھڑی سامنے رکھ کر حساب کیا تو آپ نے ایک
 منٹ میں کوئی پانچ سو الفاظ استعمال کیے۔ آپ کی زبان
 کو ٹروسیبل سے ڈھلی ہوئی تھی اور عشق رسالت کے
 سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔“

جناب مولانا غلام مہر علی گولڑہ شریف نے صاحبزادہ صاحب کو
 عربی زبان کے الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا ہے۔

مادایت علی ظہر الارض فی هذا العصر
 عدیلہ فی البیان العجیب دار الخطاب
 المدهش قدرزقہ اللہ صوره و حاہة

كانه بدرتيدوا من السماء والعيني رهنه
 وحبالا كانه شمس يعني من الفلك العلوي
 وخطابته وفضاحتة وعزاره وسجعا
 كانه وابل يمطر من سجب الوار المحمدي
 صلى الله عليه وسلم -

ترجمہ ۱

میں نے اس زمانے میں روئے زمین پر میدانِ خطابت
 میں آپ کا کوئی ثانی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ
 کو ایسی وجہ صورت اور حسن و جمال سے نوازا تھا گویا
 آپ حسین آسمان پر چکنے والے چودھویں کے چاند ہیں
 اور فلکِ علوی کے چکدار سورج ہیں۔ جو اپنی نوزانی کر نیں
 ہر طرف بچھیر رہا ہے۔ آپ کی خطابت و فصاحت و بلاغت
 نیز مقصیٰ و مسجع بیان سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الوار
 محمدی کے بادلوں سے رحمت کی موسلا دھار بارش ہو
 رہی ہے۔

خضر خطیباں

لورِ چشم تا جدارِ ہل اتی فیض الحسن
 راحت قلبِ علی المرتضیٰ فیض الحسن
 گلشنِ صدیق اکبرؓ کی بہار جا نفا
 حضرت شیخ مجدد کی ضیاء فیض الحسن
 آسمان سے آرہی آج آوازِ سر و ش
 بچھ گیا بزمِ خطابت کا دیا فیض الحسن
 باغِ رضوان میں صدائے حور و غلاماں گونج اٹھی
 مرجا اہلاً و سہلاً مرصبا فیض الحسن
 شوخی گفتار وہ طرزِ تکلم اب کہاں
 کون کر سکتا ہے پیرِ تیرا غلام فیض الحسن
 بلبلیں مغموم ہیں ویراں ہے باغِ سخن
 سو گیا خضر خطیباں چل بسا فیض الحسن

(سید حضرت حسین چشتی)

خطیب بے بدل

مداوا اب تیرے غم کا دل شیدا نہیں ہوگا
 کوئی اب دوسرا فیض الحسن پیدا نہیں ہوگا
 رہا ہے التفات بے طلب سدا مجھ پر ان کا
 فیقروں کا کوئی ہمدرد ان جیسا نہیں ہوگا
 تکلم ان کا گویا بھول برساتی بہاریں تھیں
 خطیب بے بدل ایسا کہیں دیکھا نہیں ہوگا
 دمِ تقریر حالت دیدنی تھی ان کی محفل میں
 کسی کا بھی دلوں پر اس طرح قبضہ نہیں ہوگا
 خطیب آئیں گے ایک سے ایک بڑھ کر ازل زمانے میں
 میرا دعویٰ ہے لیکن ایک بھی ان سا نہیں ہوگا

(صائمِ چشتی)

سید فیض الحسن شاہ

فیض الحسن! اے سرور کونین کے غلام
 دیتا رہا تو عمر بھر اسلام کا پیام
 تیری ہر اک سچی کا مقصد تھا بس یہی
 نافذ ہوا رضی پاک میں اسلام کا نظام
 لرزاں تھے تیرے نام سے اسلام کے حریف
 واللہ ان کے حق میں تھا تو تیغ بے نیام
 اس بات کے تو تیرے عدو بھی ہیں معترف
 اس عہد میں تھا فنِ خطابت کا تو امام
 الفاظ و روزمرہ تھے سب تیرے خانہ زاد
 تجھ کو بجا ہی کہتی ہے خلقت ابوالکلام
 چھوڑے ہیں تو نے فنِ خطابت میں وہ نقوش
 زندہ رہے گا سید ملت میں تیرا نام
 صبح و شام تیرے لیے عابد کی دعا ہے
 جنت میں ہو تجھے قریب شہِ انام
 (عابد نظامی)

خطیب الاسلام

ہو گئے جہاں سے رحمت فیض الحسن
چھن گیا زندگی سے زندگی کا بانگین!

جان بزم نقش بندیت وہ مرد پُر وقار
منہر شان ولایت وہ شہہ آلو مہار

پیکر علم و عمل فن خطابت کا امام!
زینت بزم طریقت سید علی مقام

عظمت ایمان و دلاؤ نیر تھا اس کا جلال
برق خرمین سوز اعدا کے لیے اُس کا جلال

لفظ اس کی بارگاہ میں تھے اس طرح لاکلام
بادشاہ کے سلتے جیسے کہ حاضر ہوں غلام

چُن لیا جس لفظ کو اُس نے ستارا ہو گیا
اُس کا ہر جملہ ادب کا شاہ پیارا ہو گیا

زندگی کا کارواں تاریکیوں میں کھو گیا
 تان کر چپا در بقا کی اس کا قائد ہو گیا
 اُس کی شخصیت تھی علم و فکر کا کوہِ گراں
 تاجدارِ مسندِ عرفان تھا وہ بے گناہ
 راہِ سیرِ راہِ ہدایت مظہرِ علمِ الیقین
 ڈھونڈتی ہے چشمِ عالم وہ نظرِ آتا نہیں
 قائدِ سالارِ ملت مہربان جاتا رخصا
 کر کے سب کو غمزدہ سوئے جانا رہا
 جانِ ملت تھا رضا وہ بزمِ ہستی کا وقار
 اُس کی مرقد پر سدا ہو رحمت پروردگار

(پروفیسر محمد اکرم رضا)

الغرض کس کس کا خراج تحسین تحریر کیا جائے۔ یہاں تو ایک جہان آپ کی مدح سراٹی کر رہا ہے۔ وہ کونسا گھر ہے جہاں صاحبزادہ صاحب کی آواز نہ پہنچی ہو۔ وہ کونسا گوشہ ہے جہاں خدا کے اس شیر کی لکار نہ گونجی ہو۔

آپ فنِ خطابت کے وہ بزرگ ہیں جن کی عظمت کو غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں اور آپ کو سلام کرتے ہیں۔

دوستو — بزمِ خطابت لٹ گئی۔

ساتھیوں — اہل سخن جاتا رہا۔

منبر و محراب سونے ہو گئے۔

گفتگو کا بانگین جاتا رہا۔

(علامہ شبیر اللہ ہاشمی)

شاعر اسلام

تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریم ذات
تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفل حیات
مرہم زخم بے کسی خستہ ذریعہ لب ترا
چارہ درد عاجزی تیری نگاہ التفات !
تیرے جمال کی قسم رقص کرے کا حشر تک
تیری نوائے شوق کی دُھن پر صنمیر کائنات

فیض الحسن شاہ صاحب

صاحبزادہ صاحب تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر بھی تھے مگر آپ نے بطور شاعر کبھی تشہیر کو پسند نہ فرمایا تھا۔ صاحبزادہ صاحب کی ذات دراصل ایک چنتان کی مانند تھی۔ جس میں طرح طرح کے پھول اپنے رنگ و خوشبو سے بہا رہے تھے۔ جس طرح ہر پھول اپنی خوشبو کی وجہ سے منفرد مقام رکھتا ہے اسی طرح صاحبزادہ صاحب کی ہر خوبی اپنے الگ مقام کی حامل ہے۔

شاعری ایسی گر القدر نعمت ہر کسی کو تو نہیں ملتی۔ اچھا شاعر ہونا بھی میری نظر میں رب العزت کی خاص نظر کرم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب، ادیب شہر۔ گوجرانوالہ۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین

وہ مقربان خداوندی ہیں جنہیں خدا

نے غیر معمولی روحانیت کمالات
 اور ایمانی صفات سے نواز رکھا
 ہوتا ہے۔ خدا کی ان محبوب شخصیات
 کا مرنا اور جینا خدا کے لیے ہوتا ہے
 اور ان کی جملہ فکری و نظری صلاحیتیں
 تبلیغ اسلام اور ترویج دین کے
 لیے وقف ہوتی ہیں۔

شاعری وہ صفتِ خاص ہے جو
 بعض اولیاء کرام کو العوام خداوندی
 کے طور پر ودیعت ہوتی ہے۔

اس لیے جہاں یہ دوسری صلاحیتوں
 کو فروغ دین کے لیے استعمال کرتے
 ہیں۔ وہاں یہ شاعری سے بھی اسلامی
 روایات کی ترویج اور عقائدِ مقانیہ
 کی اشاعت کا کام لیتے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب نے شاعری کو کبھی ذاتی تشہیر یا اپنی ادبی شہرت
 کا ذریعہ خیال نہیں کیا۔ بلکہ تاریخ ادب شاہد ہے کہ انکی فکری کاوشیں

اور تخلیقی صلاحیتیں دنیائے شعر و ادب کے لیے ہمیشہ باعثِ حد
افتخار ثابت ہوتی رہی ہیں۔

اولیاءِ کرام کی شاعری، رضائے الہی اور خوشنودیِ مہم کے
نام پر ظلمت کدہ عالم پر ایمان آفریں اُجائے بکھیرنے کا باعث بنتی
ہے۔

تاریخِ اولیائے کرام کا مطالعہ کریں تو کہیں حضرت حسان بن ثابتؓ
حضورؐ کی شان میں نعت پڑھتے سنائی دیں گے تو کہیں شیخ سعدی
شیرازیؒ کا کلام عشقِ محمدؐ کا درس دے رہا ہو گا۔
سعدیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

الناس اشرف المخلوقات ہے۔ اہل
کی عظمت و عصمت کائنات کی ہر
چیز سے زیادہ ہے۔

سعدیؒ کے اشعار ہیں:

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہِ خلیل و آزر است
دل گزر گاہِ جلیل اکبر است

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بحبالہ
جنت جمیع حصا لہ
صلو علیہ وآلہ

امیر خسرو فارسی کے ایک عظیم شاعر شمار ہوتے ہیں۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید خاص تھے اُردو شاعری کی بنیاد ہی آپ نے رکھی تھی۔ مولانا جلال دین محمدؒ کی شاعری، مولانا رومیؒ کی شاعری۔ غرض ان نیک اور پارسا بزرگانِ اسلام نے اپنی شاعری میں حضورؐ کی محبت کو اُجاگر کیا۔ مولانا رومؒ ایک مقام پر عرفانِ الہی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
اول نشیند در حضورِ اولیاء
بسیج فسوق بود نہ دوا
اولیاء ہیں اللہ اللہ اولیاء

تاریخِ اولیاء کرام میں خاندانِ جنت کسی تعارف کا محتاج نہیں۔
معین الدین چشتی اسی خاندان کے ایک معروف ولی اللہ تھے۔ خواجہ

معین الدین چشتی اجمیری جب بڑے صغیر تشریف لائے تو سب سے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر ہوئی اور انہیں

ان الفاظ میں ہدیہ تہنیت ادا فرمایا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کمالاں را راہنما

اسی طرح حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کی شاعری بھی ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی حضورؐ کی شان میں کہی یہ نعت تو ہر ایک کی زبان پر ہے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء

ایہ گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

حضرت بابائے شاہ جو کاروانِ عشق و مستی کے سالار مانے جاتے ہیں حضورِ اکرمؐ کی شان میں اس انداز سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ:

ہن میں نکھا سوہنا یار

جس دے حسن دا گرم بازار

پیارا پہن پوشاکاں آیا

آدم اپنا نام دھدایا

تاریخ اولیاء میں ایک اور نام جن کی شاعری کو نہ صرف ان کے مریدوں میں بلکہ پوری دُنیا میں بہت بلند مقام حاصل ہے جن کے کلام کا ترجمہ بہت سی دوسری زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔

حضرت سلطان العارفین جناب سلطان باہو اپنے پیرومرشد کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

بغداد شہر دی کیہ نشانی

اچیاں لمیاں چیراں ہو

تے تن میرا پڑے پڑے

جیویں درزی دیاں لیراں ہو

ایناں لیراں دی گل کفنی پا کے

تے میں رل ساں سنگ فقیراں ہو

بغداد شہر دے ٹکڑے منگ سالتے

حضرت باہو کر ساں میراں میراں ہو

حضرت صاحبزادہ فیض الحسن نے بھی تاریخ اولیاء میں شاعری کے

ایک اور درخشندہ باب کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب

کی شاعری بھی ان کی بے مثل خطابت لاجواب سیاست بے نظیر ولایت

اور بے مثل معالج ہو میو بیٹھی کی طرح ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔

کسی بھی شاعر کی عظمت کا احاطہ کرنے کے لیے اُس کے فکری پس منظر کے ساتھ ساتھ اُس کی زندگی کے ان عوامل پر بھی نظر ڈالنی پڑتی ہے جو اُس شاعر کی ادبی و لسانی رفعتوں اور اُس کے عملی تشخص میں پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ غلامی کا دور تھا۔ چاروں طرف برطانوی استبداد کی دہشت خیز یوں کے چرچے تھے۔ ایسے حالات میں علامہ محمد ڈاکٹر اقبال شاعری کے اُفق پر آزادی کی روش بکھینے والے کامل کی صورت میں نمودار ہوئے۔

اقبال کی فکر اتنی عظیم اور ان کا فلسفہ اس قدر ہمہ گیر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا عالم اسلام اُن سے متاثر ہونے لگا۔ شمع آزادی کے پرستاروں کے لیے اقبال نوید صبح بن کر آئے۔ صاحبزادہ صاحب علامہ اقبال کے بہت بڑے پرستار تھے۔ جن دنوں آپ سکول کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر کالج کی آزاد فضاؤں میں داخل ہوئے تو اقبال کے افکار اور اُن کے ادراک ایمانی محسوسات کو نئی زندگی بخش رہے تھے۔ آپ اقبال سے یوں متاثر ہوئے کہ اقبال کی شاعری آپ کی خطابت کا لازمی جزو قرار پائی اور آپ کی شاعری فکر اقبال کی کمر لوں سے جگمگا اٹھی۔

صاحبزادہ سید پیر فیض الحسن شاہ بہت بڑے علمی و روحانی گھرانے کے چشم و چراغ تھے گھر میں آنکھ کھولتے ہی علم و ادب کا غیر معمولی چرچا دیکھا۔ قدرت نے طبع موزوں عطا کی تھی۔ اس لیے چھوٹی عمر میں ہی بڑے خوبصورت اشعار کہنے لگے تھے۔

کالج کے زمانے میں آپ کے ساتھ پڑھنے والے کئی عظیم اور سر بلند اصحاب اُس دور میں آپ کی شعری صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں۔

روزنامہ لڑائے وقت میں نامور شاعر فیض احمد فیض مرحوم نے ایک انٹرویو میں صاحبزادہ صاحب کے بارے میں کہا کہ صاحبزادہ صاحب تعلیم کے دوران ہی ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر بن کر ابھرے۔ مرے کالج سیالکوٹ میں صاحبزادہ صاحب فیض مرحوم سے ایک جماعت پیچھے تھے۔

جناب فیض احمد فیض مرحوم نے ایک انٹرویو میں یہ ذکر بھی کیا کہ ان کے والد روحانی سکون، لطائنت اور تزکیہ نفس کی خاطر صاحبزادہ صاحب کے والد سے رجوع کیا کرتے تھے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب — صاحبزادہ صاحب کی شاہی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ
 صاحب نے ہر صفت سخن میں طبع
 آندائی فرمائی ہے۔ آپ نے نعتوں
 کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی تحریر
 فرمائی ہیں۔

آپ ایک عظیم عاشق رسول تھے۔ اس عشق رسول سے
 آپ کی قوتِ فکر عظمتِ ایمان اور مخلوقِ خدا میں پذیرائی
 حاصل ہوئی۔

یہی جذبہ عشق رسول ان کی شاعری کو روشن ایمان
 بن کر روشن وجود کا احساس دلاتا رہا۔ آپ کی نعتوں
 میں فکرِ اقبال کے علاوہ امام احمد رضا خان بریلوی کے
 عشق و گدازِ ظفر علی خان کے شکوہ بیان کی ایمان
 آفرینی کی جھلک بھی نمایاں طور پر محسوس ہوئی۔
 آپ کی غزلیات عشقِ خداوندی روحانی فکر
 افروزیوں کے ساتھ ساتھ سوز و گداز اور مشاہدات
 ظاہری اور باطنی سے عبارت ہے۔
 آپ کی منظومات میں فکرِ اقبال اس طرح جلوہ گر

نظر آتا ہے کہ اگر آپ کی نظمیں آپ کے نام کے ساتھ
 شایع نہ کی جائیں تو پڑھنے والے اسے اقبال کا کلام
 سمجھنے لگیں گے۔

حمدِ باری تعالیٰ

جہانِ بزمِ خرد میں غتہائے جستجو تو ہے
 خمستان میں وہیں مقصودِ سوزِ آرزو تو ہے
 نسیمِ صبح ہے نکہتِ بداماں فیض سے تیرے
 چمنِ افروز لے جانِ بہارِ رنگ و بو تو ہے
 ضیاءِ کون و مکان میں مہرِ عالمِ تاب ہے تیری
 تجلیِ ریزہ بزمِ زندگی میں چار سو تو ہے
 جہانِ عشق کی آبادیاں تیرے ہی دم سے ہیں
 نواہِ ببل میں ہے تیری رگِ گل میں ہو تو ہے
 فروغِ بزمِ امکان ہے تیرا نورِ تجلی سے
 اس آئینہ میں جلوہ ریزہ گویا ہو ہو تو ہے
 تیری رنگینیاں قیدِ بیاں ہیں آ نہیں سکتیں
 زبانِ گل سے لیکن یہ سنا ہے سرفرد تو ہے

خود کہتی رہی روپوش ہے تو لاکھ پردوں میں
مگر میری نظر میں جلوہ فرما چار سو تو ہے

تیرے ہی فیض سے آباد ہے مے خانہ ہستی
مے خوش رنگ تو پیرمغاں تو اور رب تو ہے

لغت رسول مقبولؐ

بختا جاں زندگی جاں کوششہ جہاز نے
 بجنگی چدل کو روشنی نورِ نظر نواز نے
 سنگِ حوادث سے ڈرنہ سکا سر جنوں
 لاکھ جتن کیے تھے گو عقل بہانہ ساز نے
 میرے جلو میں جلوہ ریز کتنے ہی کوہ طور ہیں
 بھر دیا دامنِ طلب خاکِ رہ جہاز نے
 قیمتِ نئے لیے بغیر جامِ سفال بھر دیا
 رکھ لی طلب کی ابرو ساقی دلنواز نے
 دیکھ کے دل کی کیفیت کر دیا اُس کو استکار
 قیدِ فسوںِ عقل سے سخن جنوں نواز نے
 کر دیا یہ منعطف اُن کی نگاہِ ناز کو!
 اتنا تو کام کر دیا آہِ جگر گزار نے
 پاسِ ادب سے گور ہی مہرِ بلب زبانِ فیض
 قصہِ غم سنا دیا اشکِ سخن طراز نے

نعتِ مصطفیٰ

بیاں کس سے رفعتِ شانِ احمد
 ہے عرشِ معلیٰ شہستانِ احمد
 معطل کیے جا رہی دلوں کو !
 نسیم بہار گلستانِ احمد
 خیاباں ہے محفلِ این و آل میں
 تجلا کے شمعِ فروزانِ احمد
 کیا ہے عجب اہتمام اسکی خاطر
 بنا ہے خدا خود نگہبانِ احمد
 گلِ یاسمن اور مشکِ خستن میں
 ہے خوشبوئے زلفِ پریشانِ احمد
 ہے خمِ عرشِ اعظم بھی فرطِ ادب سے
 مقرب ملائک ہیں دربانِ احمد

کہاں اس قدر ہے لبِ اُنس و جاں کی
 فدا ہے فقط مرتبہ دین احمد
 بیک وقت بزمِ عدوت و قدم میں
 خیالِ پاش ہے نورِ تابان احمد
 وہی بن گیا قبلہ اہل ایساں
 اٹھی جس طرف چشمِ حیران احمد
 شرف یہ بھلا فیض کیا تجھ کو کم ہے
 کہ تو بھی ہے ادنیٰ شناخواں احمد

نعتِ مصطفیٰؐ

عشق کھاتا ہے اُسی حُسنِ مجسم کی قسم !
 حق نے فرمائی ہے جس جانِ دو عالم کی قسم
 آفتابِ سرِ محشر کا بھی رُخ زرد ہے آج
 میرے محبوب تیرے گیسوئے برہم کی قسم
 نگرِ عشق میں محرابِ عبادت ہے توئی
 ابروئے ساقی تسنیم تیرے خم کی قسم
 عرصہ حشر میں دھوئے گا ترا ابرِ کرم
 میرے عصیاں کو اچھے گریہِ بیہم کی قسم
 جلوہ طور ہے اب جلوہ نما بطحا میں
 دیدہ شوق کو اس نورِ مجسم کی قسم
 ہے لبِ غنچہ و گل پر تری توصیف و ثنا
 شاہِ کونین ، ترے حُسنِ تبسم کی قسم

اللہ اللہ یہ ہے رفعتِ شان محمدؐ
 لب پہ خالق کے بھی ہے رحمتِ عالم کی قسم
 ماہِ بطحا مرے گھر میں کبھی آئے کا ضرور
 گریہ دیدہ بیدار و شبِ غم کی قسم
 آ رہا ہے مرے بالیں یہ مسکائے سب
 جو لبِ شوق پہ انکاسے اسی دم کی قسم
 کشتِ اُمید ترے فیض سے بھی ہو گی میری
 قطرہ ابر کرم مجھ کو ترے غم کی قسم
 دل مغرب ہے مرا عشقِ مدینہ کے سبب
 جانِ ہستی کی قسم زوجِ دو عالم کی قسم
 ملتفت ہو گا ادھر بھی شہِ بطحا اک دن
 مجھ کو اے فیض تری شورشِ پیہم کی قسم

نعت مصطفیٰؐ

تیرا پیام سردی امن جہاں کا کفیل
 تیرا جمال دلنواز حسن است کی دلیل
 نلے گیا شوقِ دل مرا مجھ کو تیرے حضور میں
 رہ گئی تھک کے دور ہی میری خرد کی حال قیل
 زمزم فیض سے ترے کون نہیں ہے بہر یاب
 گنگ و جن ہو یا فرات، نیل ہو یا سلیبیل
 تیری نوائے شوق کی گونج ہے نعرہ حسینؑ
 تیری ادائے عشق کا عکس ہے جراتِ خلیلؑ
 تیرا مریم ناز ہے منزلِ کاروانِ شوق
 قبلہ اہل ذوق ہے تیرا ہی پیکرِ جمیل
 فکر و نظر میں آسکیں کس طرح تیری رعیتیں
 ہے ترا اولیں قدمِ آخری حدِ جسریل

تیری زبان ہے فقط منظرِ راز کن فکاں
 تیرا وجود پاک ہے حق کے وجود کی دلیل
 تیری شمیم زلف سے نہکت گلشنِ جہناں
 تیری نگاہِ مست سے مستی زورِ سلسبیل
 فیضِ سناؤں کس طرح قفہٗ وروِ آرزو
 وقفہٗ حشرِ مختصر اور مری داستاں طویل

نعتِ مصطفیٰؐ

تیرے وقار پر فدا رُعب و جلال موسویؑ
 تیرے جمال پر نثار جلوہ حسن یوسفیؑ
 خم ہے تری جناب میں فزق لوٹے قیصری
 زرد ہے تیرے روبرو رنگِ شکوہ خنرویی
 تیری عطائے بے حساب باعثِ شانِ دینوی
 تیری دعائے مستجابِ وجہِ نجاتِ اُخروی
 تیری نگاہِ لطف ہے چارہ دروِ عاجزی
 خندہ زبیرِ لبِ ترامرہم زخمِ بے کسی
 ساتیءِ محفلِ استِ رحمتِ عام ہے تیری
 آگیا اعتدال پر کیفِ مسزاجِ زندگی !
 سازِ بلالؓ کی قسم سوزِ جنیّد کی قسم
 زخمِ سازِ عشق ہے تیری اولے دلبری

حاصلِ زندگی ہے بس حلقہ بندگی مرا
 اس کے سوا نہیں کوئی میری مستارعِ آخری
 کرتے ہیں تیری ذات پر ناز تمام یہاں
 تیری قبائے حسن ہے تاب رخ تیرے
 نکہتِ زلف سے تری مست ہوئے پھول پھول
 کیفِ جمال سے ترے جھوم اٹھی کل کل!
 جلوے ہیں کس قدر حسین تیرے نیاز و ناز کے
 لطفِ جمال بو ذریعہ شانِ جلالِ حیدریؐ
 تابِ سفر نہیں ہے اب منزلِ شوق دور ہے
 منتظرِ کرم اب فیض کی پاشکستگی

نعتِ مصطفیٰ ام

از - ماجزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب

فکر و فن تیرے لیے حسن بیان تیرے لیے
 اہتمام بزم ہے اے جانِ جاں تیرے لیے
 مضطرب ہے گردش کون و مکان تیرے لیے
 گامزن ہے زندگی کا کارواں تیرے لیے
 ہے مکاں تیرے لیے اور لامکاں تیرے لیے
 رونق بزم جہاں ایں و آں تیرے لیے !
 دم بخود ہیں یہ زمیں و آسماں تیرے لیے
 ہے پیاہنگامہ کون و مکان تیرے لیے
 اسے دُر و دُر رسالت گوہر نایاب حسن
 وقف ہے آغوش بحر بے کراں تیرے لیے
 کاروانِ عشق کی تو منزل مقصود ہے !
 ہے یہ سارا ذوق و شوق رہرواں تیرے لیے

شوق نے اٹھائے تیرے سب جوابات قدم
 کھل گئے قدرت کے سب راز و نہاں تیرے لیے
 سُن کبھی اے جانِ خوبی قصہ در و نہاں
 ہے کبھی دل نے مرے یہ داستاں تیرے لیے
 چشمِ زرگس مست ہے تیری مئے دیدار سے
 قمریاں ہیں شوق سے رطب اللسان تیرے لیے
 محفلِ ہستی کی جنسِ بیش قیمت ہے تو ہی
 ہے سہاں زندگی نے یہ درکاں تیرے لیے
 کلکِ قدرت چھومتا ہے شوخیِ تحریر پر
 وجد میں ہے میرا قلب نکتہِ داں تیرے لیے
 اک نگاہِ ناز ہم پر شاید کجِ سرا
 ہے سراپا شوق جانِ عاشقانِ تیرے لیے
 ہیں اٹھائے فیضِ بے کس نے بھی اے جانِ جہاں
 کیسے کیسے درو کے کوہِ گراں تیرے لیے

عظیم ہو میو پیتھ

آد سے تیری دوڑ گئی زندگی کی لہر
بے جان سی تھی محفل دنیا ترے بغیر
طوفان زدہ نگاہ اٹھے اور کس طرف
ہے کون بحرِ غم کا کنارہ ترے بغیر



Marfat.com

حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ صاحب کو پروردگار کا ناز
 نے بے شمار خوبیوں سے نوازا رکھا تھا۔ جس کی بدولت صاحبزادہ صاحب
 کا شمار اللہ تعالیٰ کے انہی نیک بندوں میں ہوتا ہے جو ہماری نگاہوں
 سے تو اوجھل ہو جاتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں سے کبھی نہیں اترتے
 ایسے ہی انسان لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ انہی لوگوں
 کے قرائین انسانیت کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صاحبزادہ
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ولولہ انگیز خطابت کے جوہر کامل
 سے بھی نوازا اور باکمال ولایت کا تاج شاہی بھی آپ کے سر پر سجایا۔
 بے مثال سیاست کی حقیقت سے بھی آگاہ فرمایا اور علم دین سے ولی
 محبت کا بند بھی عنایت فرمایا۔ ایک عظیم مفکر اور شاعر کا مقام بھی عطا
 فرمایا اور ایک عظیم ادیب اور فلسفی ہونے کا انعام بھی، لیکن بہت کم لوگ
 جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمہ کے خاندان

کو کچھ بیماریوں کی شفاء بخش دی تھی۔ ان بیماریوں کی شفاء آپ کے خاندان سے منسوب ہے جو بلاشبہ آپ کی ولایت کا بین ثبوت بھی ہے۔ ان بیماریوں میں۔

۱) خنازیر

۲) تلی کا بڑھ جانا۔

۳) برص (پھلہری)

۴) ہلکے کتے کے کاٹے کا علاج۔

آپ نے مندرجہ ذیل چاروں بیماریوں کے علاوہ بچوں اور عورتوں کی مخصوص بیماریوں میں ید طولیٰ حاصل کر لیا تھا۔

مندرجہ بالا بیماریوں میں بتلا لوگ صاحبزادہ صاحب کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے اور شفاء کی جھولیاں بھر بھر کر لوٹتے۔

برص (پھلہری) کی بیماری میں بتلا لوگ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں شرف بازیابی کے بعد اپنے جسم کا وہ حصہ جو بیماری کی زد میں آیا ہوا ہوتا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو دیکھاتے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب جسم کے اُس حصہ پر جہاں برص کے نشان ہوتے تھے۔ اپنا لعب دھن لگاتے اور دم کر کے پھونکیں مارتے۔ جہاں جہاں انہشت مبارک پھرتی (پھلہری) برص کی بیماری ختم ہو جاتی۔

مریض صحت یاب ہو جاتا تھا۔ اس بیماری کی شفاء آپ کو خاندانی وراثت میں ملی تھی۔ میں ہر اس شخص کو جو اس بیماری میں مبتلا ہو دعوتِ آزمائش دیتا ہوں کہ وہ موجودہ سجادہ نشین کے لعب و صحن کو استعمال کرے۔
انشاء اللہ شفا ملے گی۔

جہاں تک خنازیر کی بیماری کا تعلق ہے یہ گلے کی ایک بیماری ہے جو انتہائی حد تک خطرناک ہوتی ہے خدا تعالیٰ ہر شخص کو اس سے محفوظ رکھے کیونکہ جو لوگ اس کی زد میں آجاتے ہیں انہیں ان گنت پریشانیوں اور پشیمانیوں کا سامنا کرنا پرتا ہے۔ اس بیماری کی شفاء بھی صاحبزادہ صاحب کو خاندانی وراثت میں شامل ہے۔

میرے ایک عزیز دوست اس بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، چنانچہ انہوں نے ہسپتالوں کا رخ کیا اور اعلیٰ سے اعلیٰ بڑے سے بڑے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کیں۔ بیرون ملک کی ادویات کا استعمال کیا۔ دولت کو پانی کی طرح بہایا لیکن بے سود۔ میرا دوست صحت یاب نہ ہو سکا۔ جب تدبیریں کارگر ثابت نہ ہو سکیں تو آخر کار صاحبزادہ صاحب کی دوا اور دعا کارگر ثابت ہوئی۔

مریض کو لے کر صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داستانِ غم و الم بیان کی۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا "خدا بہتر کرے گا"

سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔

صاحبزادہ صاحب نے لعب دھن سے انگشت مبارک کو بھگویا اور مریض جگہ پر لعب دھن لگایا پھر دعائے خیر فرمائی اور صحت یابی کی ضمانت دے دی۔

اس کے بعد میرے دوست کونہ آپریشن کی اذیت سہنا پڑی نہ ان کے گھروالوں کو ڈاکٹروں کی منت سماجت کی ضرورت پڑی نہ وقت کا ضیا ہوانہ دولت کا۔ بس صاحبزادہ صاحب کے لعب دھن اور دعائے خیر فرمانے سے ہی مریض کو شفاء مل گئی۔

اس کے بعد جب بھی ہم (میں اور میرا دوست) صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میرا دوست کمال نیاز مندی سے اپنی گردن صاحبزادہ صاحب کے قریب کر دیتا اور صاحبزادہ صاحب دم کرتے اور انگشت مبارک لعب دھن سے بھگو کر مخصوص جگہ (یہاں خنازیر کا اثر تھا) پر لگا دیتے۔

تتا درو دل ہو ہو تو کر خدمت فقروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

صاحبزادہ پیرسید فیض الحسن شاہ کے تحت جگہ و نور نظر جناب حضرت

پیرسید خالد حسن شاہ صاحب جو آستانہ عالیہ آلومبار شریف کے موجودہ

سجادہ نشین ہیں۔ میں نے ایک ملاقات میں گزارش کی کہ صاحبزادہ صاحب

کی زندگی کے اس اہم اور درخشاں پہلو پر روشنی ڈالی۔
اس پر انہوں نے مجھے بہت ہی مفید باتیں بتائیں جن کو میں کتاب
کے اس باب کی جان سمجھتا ہوں۔

صاحبزادہ سید خالد حسن شاہ صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب
بلاشبہ ایک بلند پایہ انسان تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانیت
کی خدمت کے لیے روحانیت کے ساتھ ساتھ بے شمار مادی وسائل سے
بھی نوازا رکھا تھا۔ انہی وسائل میں ہو میو پیٹھی طریق علاج انسانیت
کی بہترین خدمت کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

صاحبزادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مسلم اور غیر مسلم ماہرین
کی بے شمار کتب کا مطالعہ فرمایا جس کی بدولت وہ اس علم پر ہر طرح سے
دسترس رکھتے تھے۔ ہو میو پیٹھی بورڈ نے آپ کی اس ماسعی جمیلہ پر آپ
کو سزا عطا کی۔

صاحبزادہ صاحب مسلسل چالیس پتالیس سال تک اس سے
منسک رہے یوں صاحبزادہ صاحب کا مطالعہ اور تجربہ اس قدر وسیع ہو
گیا کہ آپ کی تجویز کردہ دوا کی ایک خوراک سے ہی مریض کی حالت
بہتر ہو جاتی۔ دور و نزدیک سے ان کے پاس بے شمار لوگ حاضر ہوتے
تھے اور اپنی جلد جسمانی تکالیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صاحبزادہ

صاحب سے دوا اور دعا سے فیض یاب ہو کر واپس جاتے۔

صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ کچھ بیماریوں کی شفا عطا فرمائی تھی۔ اس سلسلہ میں عورتوں کی مخصوص بیماریوں کے بھی آپ ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس ضمن میں ان گنت قوانین خصوصاً وہ عورتیں جن کے بچے مخصوص بیماری کی وجہ سے مر جاتے تھے اور وہ اولاد کو ترستے اپنی زندگی گزار دیتی تھیں یا پھر اکثر کے لیے ازدواجی زندگی ان کے لیے بارگراں سے کم ثابت نہ ہوتی تھی۔ وہ صاحبزادہ صاحب کے علاج سے صحت یاب ہو جاتیں اور ان کی زندگیوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔

اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے ہمارے علاقہ کے کسی گاؤں میں صاحبزادہ صاحب تشریف لائے ہوئے تھے میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ صاحبزادہ صاحب ان لوگوں کے جھرمٹ میں بیٹھے ان کو دم کر رہے تھے اور دوا دے رہے تھے۔ اسی دوران ایک شخص ہاتھ میں مسٹھانی کا ڈبہ کچھ پیسے اور ٹیٹرون کا سوٹ لے کر حاضر ہوا اور عرض کی جناب میں بہت مشکور ہوں کہ آپ نے دعا اور دوا سے میری زندگی کی خزاں کو بہار میں بدل دیا۔ میرے گھر بچہ

پیدا ہوا ہے۔ میں آپ کا بہت احسان مند ہوں۔ اس پر صاحبزادہ صاحب
کی آنکھیں پر نم ہو گئیں اور آپ فوراً خدا کے حضور جھک گئے۔ آپ
کافی دیر سجدہ کی حالت میں رہے اور اس کے بعد فرمانے لگے۔

دیکھو اس گلستان رنگ و بو کا مالک صرف خدا ہے۔ ہماری حقیقت
تو محض باغبان کی سی ہے ہم تو فریادی ہیں فریاد کرتے ہیں۔ دوا کے
ذریعے بھی اور دوا کے وسیلے سے بھی۔ وہ حکم ان سے چاہے ہماری
دوا قبول فرمائے اور دوا میں تاثیر رکھ دے اور چاہے تو فریاد کو
رد فرما دے ہماری اس کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے؟

مالِ داکم پانی دینا تے پر پر مشکاں پاوسے
مالک داکم پھل پھل لانا لاوسے یا نہ لاوسے

گویا صاحبزادہ صاحب نے اپنے ذاتی تجربے اور وسیع تر مطالعے
کو کبھی حرفِ آخر نہیں سمجھا۔

بقول صاحبزادہ سید خالد حسن شاہ صاحب کہ صاحبزادہ صاحب
ہو میو پیٹھی علاج معالجہ میں اپنی کامیابیوں کو پروردگار عالم کا انعام سمجھتے
تھے اور اسی حیثیت سے وہ اس علم سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتے تھے۔
انہوں نے اپنی اس خدا داد نعمت کے لوگوں کو اس علم کی آفادیت سے
آگاہ فرمایا۔

آپ نے کئی سال تک ہو میو پیٹھی میڈیکل ایسوسی ایس کے صدر کی حیثیت سے اس شعبہ سے وابستہ افراد کی رہنمائی فرمائی۔

صاحبزادہ صاحب اس علم کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ جس طرح آپ نے اپنی انتھک جدوجہد، محنت اور تقریر و تحریر کی تمام تر صلاحیتوں کو فروغ اسلام اور تبلیغ دین کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اسی طرح ہم نے ہو میو پیٹھی طریق علاج کی طرف توجہ مرکوز فرما کر مخلوق خدا کی خدمت کرتے تھے۔

صاحبزادہ صاحب نے اس علم کو عام کرنے کے لیے گورنمنٹ سے گوجرانوالہ میں ہو میو پیٹھک میڈیکل کالج قائم کرنے کا مطالبہ کیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے شب و روز محنت کی۔

بالآخر ۱۹۸۳ء میں گورنمنٹ نے منظوری سے دی اور اس ادارہ میں صاحبزادہ صاحب کی سرپرستی میں کلاسوں کا اجراء ہوا۔ یہ بلاشبہ صاحبزادہ صاحب کی دن رات کی محنت کا ثمر تھا۔ صاحبزادہ صاحب کی ہو میو پیٹھی طریق علاج پر دسترس کا لوہا مانتے ہوئے پاکستان ہو میو پیٹھک میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل جناب ڈاکٹر احمد حسن صاحب یوں رقمطراز ہیں کہ۔

صاحبزادہ صاحب ہر دکھی اور مصیبت زدہ حاجت مندوں کو جہاں عظیم روحانی فیض عطا فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہو میو پیٹھک کی میٹھی میٹھی

گولیوں کی ایک پڑیا بھی دم کر کے عنایت فرما دیتے۔ جو بے حد فیض بخش ہوتی اور مریضوں کے دکھوں کا مداوا کرتی۔

صاحبزادہ صاحب کے عقیدت مند دور دراز سے اپنے بچوں کو لے کر آتے اور تعویذ کے ساتھ ہی کیو میلا۔ بیلا ڈونا اور کلکیر یا فاس کی گولیاں بھی حاصل کرتے اس طرح صاحبزادہ صاحب نے ہو میو پیٹھی کو دور دراز دیہات میں بھی متعارف کرایا۔ بلاشبہ ہو میو پیٹھی صاحبزادہ صاحب کی ہمیشہ ممنون رہے گی۔

اسی مصنف کی ایک اور زیر طبع کتاب

اسوۂ حسنہ

سرور کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کہ حیات طیبہ اور سیرت پاکہ

پر مبنی

امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم رُوپر اور ایمان

افروز کتاب جو عنقریب شائع ہوگی۔

شہید کی جو موت ہے
وہ قوم کی حیات ہے

شہیدِ کریلا

نواسہ رسول حضرت امام حسینؑ کی تعلیماتِ مقدسہ
پر مشتمل

ایک بے مثال اور ایمان افروز تخلیق

”میرکار وال“ کے مصنف غلام نبی شیخ کی یہ زیرِ طبع

کتاب عنقریب منظرِ عام پر آ رہی ہے

